ماہ جون 2021

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلہائے گوناں گوں سے یہ انجمن سجی ہے، کھلنے کو اس چمن میں بے تاب ہر کلی ہے
(مولانا عبد البر قاسمی اعظمی)

پاسبانی ترانے

جمع و ترتیب

مسعود اعجازی اورنگ آبادی ممبر پاسبان علم وادب

نام کتابچہ	:	پاسبانی تراشے
جمع و ترتیب	:	مسعود اعجازی اورنگ آبادی
صفحات	:	ایک سو سینتیس (137)
اشاعت	:	ماہ جون 2021
ترتیب و تزئین	:	مسعود اعجازی اورنگ آبادی
موبائل نمبر	:	7387127358 (+91)
زیر اہتمام	:	پاسبان علم و ادب

فہرست مضامین

حمد باری تعالیٰ

بقلم :- حافظ عامر اعظمی ، العین

کن کہا اور بنا دیا تو نے
سارا عالم سجا دیا تو نے

دے کے سورج اندھری دنیا کو
کس طرح جگمگا __ دیا تو نے

رہنے بسنے کے واسطے ہم کو
فرش خاکی بچھا _ دیا تو نے

کھانے پینے کی ساری چیزوں میں
مختلف ذائقہ دیا تو نے

تیرا احسان ہے خداوندا !
ہادی و رہنما دیا تو نے

شکر کرتا ہوں ہر گھڑی تیرا
شرک سے جو بچا دیا تو نے

حمد عامر لکھے سدا تیری
اس کو اقرا پڑھا دیا تو نے

نعت رسول مقبولﷺ

بقلم :- حافظ عامر اعظمی ، العین

رسول اللہ پر اللہ نے قرآں اتارا ہے
،،ہمیں نام محمد مصطفی جی جاں سے پیارا ہے''

نبی کا جو بھی دشمن ہے وہ دشمن ہے ہمارا بھی
نبی کا جو بھی پیاراہے وہی ہم کو بھی پیارا ہے

نبی کے نام لیوا ہیں نبی کا نام لینے پر
صعوبت جو بھی آئے ہر طرح کی سب گوارا ہے

مروت میں محبت میں مؤدت میں نہیں ثانی
خدا نے رحمت اللعلمیں کہکر پکارا ہے

دَرود اس پر سلام اس پر نہ بھیجوں کیوں بھلا **عامر**
جو امت کا سہارا تھا جو امت کا سہارا ہے

حدفے چند

بقلم :- مسعود اعجازی اورنگ آبادی

الحمدللہ ! **پاسبانی تراشے ماہ جون 2021** آپ کی اسکرین پر موجود ہے۔۔۔
پاسبانی تراشے! میں آپ دیکھیں گے بہترین حمد و نعت ، ملک کے موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے رہنمائی کرتے مضامین، سیاسی سماجی مسائل پر دلچسپ تبصرے ، صحت و طب کے متعلق مفید مشورے ، مرحومین پر تعزیتی تحاریر، اصلاح معاشرہ پر تازہ بتازہ مضامین آئے دن پیش آنے والے نت نئے مسائل اور ان کا حل، اور بھی بہت کچھ۔۔۔۔
پاسبانی تراشے! سوشل میڈیا کے شہر آفاق گروپ **پاسبان علم و ادب** کے ممبران کے قلم سے نکلنے والے قیمتی ادبی اصلاحی تراشوں کا مجموعہ ہے
ہم نے کوشش کی ہے اس رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے کی مزید کے لئے آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔۔۔
آپ کی دعاؤں اور مفید مشوروں سے ہمیں حوصلہ ملتا ہے۔۔
نوٹ :- یہ رسالہ صرف برقی شائع کیا جاتا ہے

العبد مسعود اعجازی اورنگ آبادی

بوھرہ مسجد کاحسنِ انتظام

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی، اعظمی

ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل میں مسجد کا کردار مؤثر اور اھم رہاھے، عہد نبوی میں مسجد انفرادی،اجتماعی مسائل حل کرنے، روحانی ونفسانی، ظاھری وباطنی تطہیر کا مرکز رہاھے، مسجدنبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہیڈ آفس تھا جہاں سے تمام دینی و دنیوی، داخلی و خارجی اور سیاسی معاملات حل کئے جاتے تے تھے، صحابہ کے دور میں بھی بلکہ بہت بعد تک یہی سلسلہ جاری تھا کہ مسلمانوں کے تمام دینی اور سیاسی مسائل حل کرنے کے لئے مساجد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔
دور حاضر میں اس سلسلہ کو شروع کرنے کی ضرورت ھے ،مساجد کے ساتھ ایک آفس کا انتظام بھی ہونا چاہیئے جہاں سے دینی ودنیاوی، اجتماعی وسیاسی، ایمانی ودعوتی، معاشی واقتصادی اور مسلمانوں سے متعلق تمام معاملات کو کنڑول کیا جاے ۔
بوھرہ فرقہ کی ایک مسجد جو میرے ھی زیرِ اشراف منطقہ (علاقہ) میں واقع ھے، اِدارۃ شؤون اسلامیہ والأوقاف کی طرف سے ذمہ داری سنبھالنے کے بعد جب اس مسجد میں پہلی بارگیا تو استقبال اورتعارف کے بعد مجھے مسجد کے ایک ایک گوشے کی زیارت کرائی گئی، انتظامات اور اِجراء معاملات کے نظام اور سسٹم کو دکھایا اور سمجھایا گیا ،حسن نظم کو دیکھ کرمجھے بڑی مسرت ہوئی،مسجد پختہ احاطہ کے ذریعہ محیط کی گئی ھے ،گیٹ کے اندرونی حصہ میں24 گھنٹے سیکورٹی ڈیوٹی پرموجودرہتی ھے،ایک طرف امام صاحب کی تمام ضروری سہولیات سے پُر اقامتی منزل ھے ،دوسری طرف آفس جہاں سے بوھرہ فرقہ کے تمام

متعلقہ معاملات کا اجراء اور تنفیذ کا عمل انجام پذیر ہوتا ھے، سیکورٹی نے مجھے آفس تک پہنچایا، آفس میں اپنی مذھبی شناخت کے ساتھ ڈیوٹی پر موجود شخصیت نے خوش آمدید کہا میں نے اپنا تعارفی کارڈ پیش کرنے کے بعد ان سے متعلقہ معلومات حاصل کرکے رخصت طلب کی تو انھوں نے بوھرہ فرقہ کمیونیٹی کے منیجر سے فون سے بات کرادی انھوں نے کہا 10 منٹ آپ رک جائیں میں حاضر ہوتا ہوں، وہ آے، ملاقات ہوئی ،تعارف کے بعد جب انہیں یہ پتہ چلا کہ میں انڈین ہوں تو بہت خوش ہوے، یہ جاننے کے باوجود کی میں فاضل دیوبند ہوں بڑی مسرت کا اظہار کیا، اپنے ساتھ مسجد میں چلنے کے لئے کہا ، یہ امام منزل ھے، بالائی حصہ میں امام صاحب اقامت پزیر ہیں، یہ مسجد کا دروازہ ھے یہ دیکھیں یہاں حسب تعلیمات ٹمریچر چیکنگ کا کیمرہ نصب ھے، یہاں سے مرد کا داخلہ ھے اور یہاں عورتوں کا، یہ مطبخ ھے جہاں سے (جب سے کرونا آیا ھے) ڈیلی کھانا پکاکر بوھری برادرن کے گھر پہنچایا جاتا ھے، یہ مسجد کا بالائی حصہ ھے جہاں صرف عورتیں نماز پڑھتی ہیں اور نیچے کے حصہ میں صرف مرد نماز ادا کرتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری سمجھتاہوں کہ بالائی حصہ جوعورتوں کی جگہ ھے اس کی ساخت اور بناوٹ کچھ اس طرح ھے کہ نیچے سے مرد اگر اوپر دیکھنا چاہیں تو عورتیں نظر نہیں آسکتیں، اور اوپر سے صرف امام کا دیدار کرسکتی ہیں یعنی اوپر سے محراب کی جگہ صاف نظر آتی ھے جہاں سے امام یا سیدنا کا دیدار براہ راست کرتی ہیں۔

مختصر یہ کہ میں ان سے مطمئن ہوکر واپس آگیا لیکن ان کے حسن انتظام پر مجھے رشک آیا اور اپنے لوگوں پر افسوس اور ررونا۔

مزاج بدلیں سماج بدلے گا

بقلم :- مولانا شیخ محمد خالد اعظمی

تنظیم و تنظیف، اتحاد و اتفاق اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہیں ،لیکن مسلمانوں نے ان تمام خوبصورت تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے..

قوم قدم پر ایک تنظیم، گلی گلی میں ایک رہنما ہمارے یہاں موجود ہیں. اور گلا پھاڑ پھاڑ کر اتحاد و اتفاق پر تقریریں کی جاتی ہیں. گندگی اور بدنظمی مسلمان محلوں اور تنظیموں کی پہچان بن گئی ہے..

اگر کسی قوم یا کمیونٹی میں تنظیم و تنظیف، اتحاد و اتفاق جیسے اوصاف پائے جارہے ہیں تو اسے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے اسے مان کر اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے

لیکن ہمارا مزاج خصوصاً حق کے علمبردار مولویوں کا مزاج اس قدر بگڑ گیا ہے کہ تسلیم کرنے کےبجائے ہزار تاویل شروع کردیتے ہیں مثلاً وہ تعداد میں کم ہیں اس لئے منظم ہیں وہ خوشحال ہیں تجارت پیشہ ہیں اس لئے متحد ہیں.

ارے بھائی اسلام نے یہ تو نہیں کہا کہ مسلمان تعداد میں کم ہوں یا خوشحال ہوں تبھی وہ منظم اور متحد رہ سکتے ہیں ، اسلام نے ہرحال میں اس کا تقاضا کیا ہے..

اس لئے اپنی کمیوں کو تسلیم کریں اس پر پردہ ڈالنے کے بجائے خامیوں کو دور کریں..

اور جن کے اندر یہ اوصاف ہیں انھیں قبول کریں

چاہے وہ تعداد میں کم ہوں یا زیادہ...........مزاج بدلیں سماج بدلے گا...........

آجکل برتھ ڈے

بقلم :- مولانا صابر القاسمی

آجکل ہمارے معاشرے میں برتھ ڈے منانے کا فیشن عام ہوتا جارہا ہے، کیک کاٹے جاتے ہیں، سالگرہ کے کیک پر موم بتیاں جلائی جاتی ہیں اور انہیں منہ سے پھونک کر بچھایا جاتاہے اور محلے پڑوس کے دوست احباب اکٹھا ہوتے ہیں، تصویر کشی ہوتی ہے، مردوں اورعورتوں کااختلاط ہوتا ہے، ایک ساتھ مل کرایک خاص طرز پرایک مخصوص انگریزی کا دعائیہ جملہ گنگنایا جاتا ہے،اور بھی بہت سی خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، برتھ ڈے منانے کااسلام میں کوئی تصور نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بزرگانِ دین نے کوئی برتھ ڈے نہیں منایا، ہم نے غیروں کی اتباع میں اسلام کے اصولوں کو طاق پر رکھ دیا ہے اور گڑھے میں گر رہے ہیں اور یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم ترقی پہ ہیں، ترقی اور تنزلی کےفرق کا احساس بھی نہیں ہے، برتھ ڈے منانا مغربی تہذیب کا حصہ ہے، ایک رسم ہے جس کا شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے برتھ ڈے منانے سے گریز کرنا چاہئے۔

عالم ربانی کی کہانی حکایت ہستی کی زبانی

بقلم :- مولانا پھول حسن بیگوسرائے

میں ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ کرنے جارہا ہوں جواخلاص کا پیکر، مجسم جد وجہد تھی، نیکی کا خوگر، مطالعہ کارسیا عاشق علم وفن، حق کا داعی علم دین کا بےلوث خادم تھی۔ میری مراد مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ کی ذات ستودہ صفات ہے۔

ولادت

فروری 1951 میں آپ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں علم واجبی سا تھا مطالعہ وغیرہ کا کوئی ماحول نہ تھا، والد شاعر تھے اسی نسبت سے کسی ادبی رسالے اور مذہبی ذوق کی وجہ سے کتابوں کی ورق گردانی مواقعِ فرصت میں کر لیا کرتے تھے، دادا کے مطالعے میں بہشتی زیور رہا کرتی تھی

آپ پیدائش کے دو ڈھائی سال بعد مہدِ مادر سے محروم ہو گئے والد محترم نے آپ کو ماں کے نہ ہونے کا احساس نہ ہونے دیا اسی لئے آپ اپنے والد سے بہت قریب تھے ۔

ابتدائی تعلیم

قاعدہ بغدادی، عم پارہ، نصف قرآن شریف اردو وغیرہ آپ نے اپنے والد محترم سے پڑھی، اس کے بعد آپ گاؤں کے مکتب میں داخل ہوئے اور پرائمری درجہ پنجم تک آپ نے یہیں تعلیم حاصل کی ۔

شوقِ مطالعہ

اردو کی شدبدہونےکے بعد مطالعہ کا آپ کو ایسا چسکا لگا کہ گھر میں جتنی اردو کتابیں تھیں سب پڑھ ڈالی، مکتب کی کتابیں اور گاؤں میں جہاں جو کتابیں دستیاب ہوئیں سب دیکھ ڈالی
ایک نہ زائل ہونے والا نشہ تھا
جو بےخود کئے رہتا، جہاں جاتے نگاہیں کتاب تلاش کرتیں، جس طرح، جو بھی جس صورت میں بن پڑتا کتاب تک رسائی حاصل کرتے، کھڑے بیٹھے چوری چھپے پڑھتے ۔ عشق اپنی راہ بنالیتا ہے مولانا کو بھی مطالعہ سے عشق تھا گھر کے لوگ آپ کی اس دیوانگی سے پریشان تھے، آپ کی نانی کو بہت فکر تھی کہ یہ اتنا پڑھتا ہے کہیں صحت نہ بگاڑ لے اس لئے ایک دن زیادہ پڑھنے سے منع کیا ، اب طبیعت ادھر سے بدک گئی حالانکہ نانی سے آپ کو بےانتہا محبت تھی، مضطرب رہتے، ایک دوماہ اسی وجہ سے نانی کے یہاں جانا بند کردیا، نانی آتیں تو آپ باہر بھاگ جاتے کہ کہیں پھر سے پڑھنے سے منع نہ کر دیں، ایک دن پکڑ کر لائے گئے نانی نے گھر پر نہ آنے کی شکایت کی البتہ ہڑھنے سے نہیں روکا، پھر حجاب دور ہوگیا اور اس دوران جو پریشانی رہتی تھی وہ بھی دور ہوگئی ۔
کام کے دوران بھی پڑھتے، گھر پر کپڑا بننے کا کام ہوتا تھا، رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ گھنٹے پابندی سے ادھر بھی دیتے تھے، ہاتھ اور پاؤں کام میں لگا رہتا اور نگاہیں کتاب پر ہوتیں ۔
یہ جنون مولانا کی زندگی کے آخری ایام تک بحالہ باقی رہا ۔

بچپن کا کھیل

کھیل کود سے آپ کو بالکل بھی مناسبت نہیں تھی ہمجولیوں کے اصرار پر فٹ بال اور مقامی کھیلوں میں بس برائے نام شریک ہوتے ۔

آپ کا ایک پسندیدہ کھیل بڑا دلچسپ کھیل تھا وہ یہ کہ آپ خود رو خاردار پودوں کے پاس اپنے ایک چچا زاد بھائی کے ساتھ چلے جاتے،وہ پودے ہوا میں جھومتے تو آپ کو بےانتہا خوشی ہوتی اور آپ اپنے چچازاد سے کہتے، دیکھو کتنی محنت سے پڑھ رہا ہے اور ہوا کا زور ذرا کم ہوتا تو پودے کا جھومنا بھی بند ہوجاتا، آپ کے ننھے ہاتھ میں ایک چھری ہوتی تھی آپ اس سے پودوں پر مارتے تو پودے حرکت کرنے لگتے، آپ فرماتے، چلو پڑھو، یاد کرو، نہیں تو یہی سزا ملے گی آدھا پونہ گھنٹہ آپ اسی کھیل میں مشغول رہتے جب واپس ہونے لگتے تو ان پودوں سے مخاطب ہوکر کہتے کہ اچھا فلاں وقت آؤں گا، سبق یاد کر کے رکھنا

فرماتے ہیں کہ جب ان پودوں کا موسم ختم ہوجاتا تو میری طبیعت کا نشاط جاتا رہتا اور واپسی پر طبیعت کھل اٹھتی تھی ۔

درجہ فارسی وعربی کی تعلیم اورآپ کا دینی ذوق

مکتب کی تعلیم سے جب آپ فارغ ہوئے تو مکتب کے معلم نے آپ کے والد کو بلاکر ہدایت کی کہ آپ کا بچہ ذہین ہے اسے انگریزی تعلیم میں لگادیں

اور آپ اس میں لگ گئے، تعلیم شروع ہوگئ

ایک دن اپنے ایک ہم درس کے گھر گئے تو وہاں اس کو دیکھا کہ برش سے گائے کی تصویر بنا رہا ہے، پوچھ بیٹھے یہ کیا ہے؟ کیا اسکول میں یہ سب بھی کرنا پڑتا ہے؟

ساتھی نے جواب دیا، ہاں، اسکول میں تو یہ سب لازمی ہے، آپ نے اس سے کہا
تصویر سازی تو حرام ہے!
قیامت کے دن جاندار کی تصویر بنانے والے سے کہا جائے گا کہ اس میں روح ڈالو،
آپﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے ۔
یہ کہہ کر آپ گھر آئے اور انگلش تعلیم سے بیزاری ظاہر کی اور مصر ہوگئے کہ میں
اب اسکول نہیں جاؤں گا ۔
یہ دینی ذوق آپ کو گھر کے ماحول اور دینی رسائل وکتب کے مطالعے اور علماء کی
محبت اور دیندار بزرگوں کی صحبت سے ملا تھا
مکتب کی تعلیم کے زمانے میں آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کسی اللہ والے کی آمد
کی خبر سنتے تو وہیں ڈیرہ ڈال دیتے، خدمت میں لگے رہتے، ان کی باتوں کو غور کے
کانوں سے سنتے ۔
گاؤں میں بڑے بوڑھوں کا ہر روز اجتماع ہوتا، حقہ وغیرہ پی جاتی اور کوئی کتاب
پڑھی جاتی جسے سب لوگ سنتے، آپ حقہ بھرنے کی خدمت انجام دیتے اور کتاب
بھی پڑھتے خیال رہے کہ آپ کا یہاں بیٹھنا خواندن کتاب کے لئے ہوتی
اسی محفل میں رد بریلویت پر ایک کتاب پڑھی جاتی تھی جس کو ایک خاص مقدار
میں روزانہ آپ ہی پڑھتے تھے، اس طرح بریلویت پر آپ کا اچھا خاصا مطالعہ ہوگیا
تھا، علماء دیوبند سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے
آپ کے ذوق دینی میں ان سب کا بڑا کردار تھا ۔
آپ کے والد آپ کی بڑی دلداری فرمایا کرتے تھے، آپ نے اسکول جانےسے جب

نکار کیا تو اس بات پر خوشی ظاہر کی اور شام میں جب سب لوگوں کا اجتماع ہوا تو آپ کے والد نے مجلس میں شریک مولانا عبد الستار صاحب سے یہ ساری باتیں کہی، مولانا بہت خوش ہوئے اور آپ کے والد سے فرمایا کہ کل سے اسے فارسی کی پہلی اور آمدنامہ لے کر میرے پاس بھیجدو ۔

مولانا عبد الستار صاحبؒ گاؤں ہی کے تھے منجھے ہوئے عربی کے مدرس تھے ان کے درس کا شہرہ عام تھا مگر اس وقت تدریس موقوف تھی

آپ کو بہت خوشی ہوئی کہ مولانا پڑھائیں گے

آپ نے مولانا سے فارسی کی پہلی، آمدنامہ گلستان کے چند باب (باقی ایک دوسرے مدرس نے مولانا کے کہنے پر پڑھائی، مالابدمنہ بھی انہیں سے آپ نے پڑھی)

بوستاں، میزان منشعب، پنج گنج، نحومیر وغیرہ پڑھی۔

شعبان کے آخر میں مولانا عبد الستار صاحب نے آپ سے فرمایا کہ شوال میں مبارکپور چلے جاؤ۔

جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں چار سال

آپ اب تک کبھی گھر سے باہر نہیں نکلے تھے اس لئے جی گھبرا رہا تھا، لیکن تعلیم کا شوق ان گھبراہٹوں پر غالب تھا گاؤں کے ایک دوست حافظ ابو بکر جو وہیں زیر تعلیم تھے ان کی رہبری ورہنمائی میں آپ احیاء العلوم پہنچے ، عربی دوم میں آپ کا داخلہ ہوا۔

اب آپ کو آپ کی خواہش کا میدان ملا تھا، تعلیم کی دنیا اور کتابوں کے شہر میں آگئے تھے دونوں سے خوب خوب استفادہ کیا

اب آپ باشعور ہوگئے تھے حلقہ احباب بڑھا تو جذباتی قدم بھی اٹھے، نادانیاں بھی ہوئیں لیکن جلد ہی تنبہ ہوگیا ، جم کر محنتیں ہوئیں،

احیاء العلوم جہاں وقت کے باکمال اساتذہ جمع تھے ان سے خوب فیضیاب ہوئے، خصوصا عربی چہارم کے سال سے مقصد پر جم گئے، تمام بکھیڑوں سے یکسو ہوکر تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز کی، تکرار کا اہتمام کیا ، درسی وخارجی مطالعہ پر مداومت اختیار کی ، عربی انشاء وتکلم پر محنت کو لازم گردانا ۔

عربی ادب وانشا میں مہارت پیدا کرنے کی غرض سے آپ نے ہند کے نامور مؤرخ قاضی اطہر مبارک پوریؒ سے مقامات حریری پڑھی گرچہ قاضی صاحبؒ نے ایک ماہ یا اس سے کچھ زائد پڑھایا مگر عربی ادب کی تعلیم وتحصیل کی ایک نئی راہ کھول گئے ۔

عربی پنجم تک کی تعلیم آپ کی یہیں ہوئی اس کے بعد آپ ایشیا کی مرکزی دینی درسگاہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند پہنچے ۔

دار العلوم دیوبند میں داخلے کی تیاری

عموماً ہر عربی کے طالب علم کا خواب ہوتا ہے کہ وہ دار العلوم میں پڑھے اور وہ اس کے لئے رمضان میں یکسو ہوکر داخلے کی تیاری کرنا چاہتا ہے کچھ تو دار العلوم پہنچ جاتے ہیں اورکچھ ان جگہوں پر جہاں اس کے اور تیاری کے بیچ کوئی خلل انداز نہ ہو آپ نے بھی اس سال مدرسہ میں ہی رمضان گزارنے کا عزم کرلیا تھا، یوں تو آپکی تیاری زبردست تھی لیکن شوق وجنون اور مزید کی طلب آپکو چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی، تعلقات سے یکسر منقطع ہوکر کتابوں سے اپنا رشتہ استوار کرلیا تھا ،

ساتھی آپ پر طنز کرتے، جنونی کہتے مگر آپ پر سب بےاثر چنانچہ پچیس رمضان تک آپ تیاریوں میں غرق رہے، پھر گھر آگئے۔
عیدکے بعد تیاری زوروں پر ہے بہنیں خوش ہیں، والد صاحب آپ کے لئے کپڑے وغیرہ بنوا رہے ہیں، باوجود اسکے آپ خوابوں کی دنیا کا سفر کرنے والے ہیں رہ رہ کر آپ کو ماں کی یاد آ رہی تھی، جب آپ دو ڈھائی برس کے تھے وہ آغوش رحمت میں چلی گئی تھیں، آپ کا حافظہ بہت اچھا ہونیکے باوجود آپ کے ذہن میں ان کی دھندلی تصویر بھی ذہن میں نہیں آ رہی تھی، یہ خیال کرکے کہ آج اماں ہوتیں تو میرے کیا کیا کرتیں، دل کے ساگر میں لہریں اٹھتیں اور آنکھیں چھلک پڑتیں ۔
دس شوال کوآپ دعاؤں کے ساتھ گھرسے رخصت ہوئے او گیارہ کو دیوبند پہنچ گئے۔

دار العلوم دیوبند میں

جب آپ دار العلوم کے احاطے میں داخل ہوئے تو آپ کو خواب سا لگ رہا تھا، یقین نہیں آرہا تھا کہ آپ اس جگہ پر پہنچ چکے ہیں جس کو آپ خواب وخیال اور تصور میں دیکھا کرتے تھے ۔
دار جدید کمرہ نمبر ۷۰ میں آپ پہنچا دیئے گئے جہاں آپ سے پہلے آپ کے ساتھی موجود تھے۔ حال احوال کے بعد پتہ چلا کہ سب کا داخلہ ہوچکا ہے ۔

داخلہ امتحان

آپ بھی اپنے ایک ساتھی کی رہنمائی میں دفتر تعلیمات پہنچے، ضروری کاروائی کے بعد پتہ چلاکہ آپ کا داخلہ امتحان مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے پاس گیا ہے، مشہور تھا کہ مولاناؒ بہت سخت امتحان لیتے ہیں اور ان کے نزدیک کوئی پاس نہیں ہوتا، آپ کو

بھی ڈرایا گیا، روکا گیا مگر آپ امتحان کے لئے مولانا کے پاس پہنچے
ہدایہ ثانی اور دیوان متنبی سے عبارت پڑھوائی گئی، ترجمہ ومطلب پوچھا گیا آپ نے
سب کا جواب مکمل اعتماد کے ساتھ دیا مولاناؒ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا، خلاف
عادت پانچ سات منٹ میں آپ کو فارغ کر دیا۔
بعد میں پتہ چلا کہ آپ امتیازی نمبر سے داخلہ امتحان پاس کئے ہیں ۔

اسباق کا آغاز

داخلہ کے مراحل کی تکمیل کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا
مولانا وحید الزماں کیرانویؒ عربی تکلم وانشاء کے استاذ تھے آپکو احیاء العلوم کے زمانے
سے ہی مولانا سے بہت عقیدت تھی اس لئے مولانا کے درس میں آپ خصوصیت
سے شرکت کرنا چاہتے تھے، مگر ایک مشکل سامنے تھی وہ یہ کہ مولانا کے یہاں
عربی تکلم وانشاء کے تین درجے قائم تھے، صف اول، صف ثانوی اور صف نہائی
جدید طلبہ کو صف اول میں رکھا جاتا تھا اور اس جماعت کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا
جاتا تھا جسے صف نہائی کے قابل طلبہ ہڑھاتے تھے اور صف ثانوی اور نہائی کو مولانا
خود پڑھاتے تھے ۔
ان تینوں جماعتوں میں شامل ہونے کے لئے دفتر تعلیمات میں درخواست دینی پڑتی
تھی آپ نے صف ثانوی میں داخلے کی درخواست دی، وہاں سے ہدایت ملی کہ آپ
جدید ہیں اس لئے مولانا کی منظوری لازمی ہے
آپ مولانا سے ملے، مولانا نے آپ کے بارے میں منظوری دیدی کہ ماشاء اللہ
استعداد اچھی ہے اور صف ثانوی میں داخلے کے مستحق ہیں ۔

اس جماعت میں آپ کے قابل ذکر ساتھیوں میں
مولانا نور عالم خلیل امینیؒ
مولانا بدر الحسن صاحب (کویت)
مفتی عزیز الرحمن صاحب ممبئ وغیرہ تھے ۔
آپ نے مولانا کے طرز تدریس وانداز تربیت کی کھل کر تعریف کی ہے دیگر اساتذۂ کرام کے محامد ومحاسن کو بھی بیان کیا ہے ۔

***ار العلوم کی لائبریری اور آپ**

مطالعہ کے رسیا تو آپ تھے ہی، آپ دار العلوم میں ہوں اور اس کی عظیم الشان لائبریری میں نہ جائیں، ایسا تو ناممکن تھا
آپ لائبریری میں داخل ہوئے، گھنٹوں کتابوں کی فہرست کو آپ دیکھتے رہے تاکہ مطالعہ کے لئے کتابوں کا انتخاب کر سکیں عربی ادب کے بعد آپ کا پسندیدہ موضوع فن منطق تھا
احیاء العلوم کے زمانے سے ہی اس فن کی دوکتابوں علامہ قطب الدین رازی کی "شرع مطالع " اور علامہ ابن تیمیہ کی "الرد علی المنطقین " کی تلاش تھی احیاء العلوم کے کتب خانے میں یہ کتابیں نہیں ملی تھیں اب جبکہ یہاں پایا تو آتش شوق بھڑک اٹھی، نگران کتب خانہ سے کتاب طلب کی، انہوں نے آپ کا نیچے سے اوپر تک کا جائزہ لیا اور پوچھا کیا پڑھتے ہو؟ آپ نے عرض کیا جلالین میں داخلہ ہوا ہے، انہوں نے فرمایا اچھا! جدید ہو؟ آپ نے عرض کیا جی ہاں، پھر انہوں نے دریافت کیا منطق کی کونسی کتاب تم نے پڑھی ہے؟ آپ نے بتادیا، پھر پوچھا سلم

اور ملاحسن پڑھی ہے؟ قاضی مبارک اور حمداللہ بھی پڑھ چکے ہو؟ آپ نے نفی جواب دیا
وہ کڑک بولے پھر س کتاب کو کیسے سمجھوگے؟ یہ کہہ کروہ آگے بڑھ گئے آپ لپکے اور ان سے اصرار کیا، وہ سمجھاتے رہے آپ سمجھنے کے لئے تیار کب تھے؟ آپ کا اصرار قائم رہا آخر ہار کر انہوں نے کتاب نکال کر آپ کو دے دی ،آپ کے شوق مطالعہ اورجنوں دیکھ کربعد کے دنوں میں نگراں صاحب نے آپ کو خصوصی اجازت مرحمت فرمادی اور دیگر لوگوں کے مقابلے آپکے ساتھ امتیازی سلوک سے پیش آتے رہےاورآپکے لئے ایک گوشہ بھی متعین کردیا تھا تاکہ آپ یکسو ہوکر مطالعہ کریں ۔

بے چین دل کو قرار آگیا

دار العلوم دیوبند کے اساتذہ وطلبہ کی عظمت سے آپ کا سینہ معمور تھا، بڑی امنگوں اور حوصلوں سے آپ یہاں آئے تھے لیکن آپ کو یہ دیکھ کر بے انتہا حیرانی ہوئی کہ طلبہ میں تعلیمی شوق معدوم کی حد تک مفقود ہے، دل اس بار کا تحمل نہ کر سکا اور حرف ناگواری زبان پر آگیا ، آپ کے ایک ساتھی نے اس کی تائید کی لیکن یہ کہا کہ اس بحر میں ہیرے اورجواہر بھی ہیں اورنصف شب کو چھوٹے چھوٹے حجروں سے آپ کو گزارا گیا جس میں کہیں مذاکرہ تو کہیں مطالعہ ہو رہا تھا، وہ ساتھی آپ کو ایک مسجد کے ایک کمرہ میں لے کر گئے جس میں ایک ھزیل ونحیف طالب علم اکڑوں بیٹھا خود کو رومال سے باندھے ہوئے، دائیں بائیں اور سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے اور مطالعہ میں مصروف ہے ، غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو آپ کے صف ثانوی کے ساتھی بدر الحسن دربھنگوی ہیں، جی میں کہا کہ پڑھنےوالے ایسے ہوتے ہیں،

اور یہ سب دیکھ کر آپ کے کلیجے کو ٹھنڈک ملی اور آپ حوصلوں امنگوں کے ساتھ واپس ہوئے۔

جو سنا تھا وہ دیکھا نہیں

آپ کا سینہ دار العلوم اور اس کے متعلقات کی عظمت سے لبریز اور قلب عقیدت سے معمور تھا، آپ کے تصور میں یہاں کے اساتذہ کا تدین وتقویٰ جس معیار کا ہونا چاہئے تھا، نہیں پایا

ایک دور تھا جب شیخ الحدیث سے دربان تک صاحب نسبت ہوا کرتے تھے لیکن اس وقت آپ نے نچلی سطح کے ملازمین کو ابتدائی دینداری سے بھی خالی پایا، یہ سب آپ نے دار العلوم کی قدامت کے عوارض پر محمول کیا، آپ یہاں حصول علم کے لئے آے تھے، سو آپ کو ان سب چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پڑھ کر یہاں سے فارغ ہوکر خیر کے ساتھ نکلنا تھا۔

دار العلوم کی اسٹرائیک، آپ کا اخراج اور احباب واغیار کا مقاطعہ

یہ 1969 عیسوی کی بات ہے، ششماہی امتحان سر پر تھا اس وقت کچھ ایسے حالات پیش آگئے جن میں آپ بچپن کی نادانی اور جوش عقیدت میں مخالف سمت بہہ گئے، حالات اتنے خراب ہوئے کہ نوبت اسٹرائیک تک جا پہنچی

آپ جس بات کو لے کر سامنے آئے تھے اسکی صورت کچھ اور تھی لیکن آنا فانا میں دوسری شکل اختیار کر لیا اور آپ الجھتے چلے گئے۔

انتظامیہ کی بڑی کوشش ہوئی کہ اسٹرائیک ختم ہوجائے لیکن طلبہ پہلے اپنے مطالبات منوانے پر بضد تھے آخر انتظامیہ نے پولس کے تعاون سے دار العلوم کو خالی کروایا۔

اس تحریک کی پاداش میں پینتیس طلبہ کا اخراج ہوا جن میں سرفہرست آپ اور مولانا طاہر حسین گیاوی تھے، کچھ کو مشتبہ بھی قرار دیا گیا تھا۔

سارے طلبہ آہستہ آہستہ دیوبند سے اپنے گھروں کو نکلے آپ اور مولانا گیاوی صاحب مؤ پہنچے وہاں کے طلبہ نے آپ دونوں کا استقبال کیا لیکن جب انتظامیہ کو خبر ہوئی تو آپ دونوں کو وہاں سے چلے جانے کا حکم ہوا احیاء العلوم مبارکپور میں بھی ممانعت ہوگئی، کیا غیر کیا اپنے سب نے منہ پھیر لیا۔

مخرجین کی لسٹ ملک بھر کے مدارس کو بھیج دیا گیا تھا آپ عجیب صورت حال سے دوچار تھے، حوصلہ کھوچکے تھے لیکن مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب نے ہمت سے کام لیا اور مدرسۃ الاصلاح پہنچے، انتظامیہ نے صلاح مشورہ کے بعد آپ دونوں کا داخلہ لے لیا، لیکن یہاں دوہفتے کا قلیل وقت گزار کر پھر دیوبند کا سفر کیا۔باقی وقت آپ یہیں دیوبند میں اپنے خاص دوست قاری شبیر صاحب کے پاس گزارا، آپ کا یہ وقت مطالعہ ومذاکرہ میں گزرا، عید گزر گئی، مدارس کھل گئے، ظاہر ہے دار العلوم دیوبند میں تو آپ حضرات کے داخلے کی کوئی گنجائش تھی نہیں، آپ اور مولانا گیاوی صاحب جلال آباد مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کے پاس پہنچے، بہت شفقت سے پیش آئے لیکن مولانا بھی معذور تھے۔

چند روز بعد آپ سمیت دو اور لوگ مولانا گیاوی صاحب اور مفتی عزیز الرحمن صاحب (مفتی صاحب کا بھی اسی ہنگامے میں اخراج ہوگیا تھا) مراد آباد شیخ الحدیث مولانا فخر الدینؒ کے پاس پہنچ کر کہیں داخلے کی درخواست کی۔۔

دار العلوم حسینیہ محلہ چلہ امروہہ میں

شیخ نے فرمایا کہ امروہہ کے جامع مسجد کے مدرسہ میں داخلہ کرواسکتا ہوں، سب خوش ہوگئے، تھوڑا تؤقف سے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا مبارکپور سے تمہارے بارے میں کچھ ایسی بات آئی ہے جس کے سبب تمہارا داخلہ نہیں کراسکوں گا، آپ مشیت خدا وندی سمجھ کر خاموش رہے

بعد میں مولانا گیاوی صاحب نے آپ سے کہا کہ تم بھی چلو مدرسہ کے مہتمم قاری فضل الرحمان صاحب سے بات چیت کی جائے گی، تمہارا داخلہ بھی ہوجائے مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور دیوبند قاری شبیر صاحب کے پاس چلے گئے

ایک ہفتہ کے بعد مولانا گیاوی صاحب آپ کے پاس دیوبند پہنچے اور باصرار آپ کو وہاں سے لے کر امروہہ آگئے

اور یہاں آپ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر تھوڑے فاصلے پر محلہ چلہ چلے آئے، یہاں کے شیخ الحدیث آپ کے استاذ مولانا عبد المنان صاحب کے استاذ مولانا افضال الحق صاحب جوہر تھے انہوں نے بخوشی آپ کا داخلہ لے لیا

آپکی فراغت یہیں سے ہوئی اور امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے صاحبزادہ محترم مولانا عبد السلام کے ہاتھوں دستار بندی ہوئی اور سند دی گئی ۔

ایک قابل ذکر واقعہ

مفتی عزیز الرحمن صاحب ممبئی دار العلوم دیوبند میں آپ کے صف ثانوی کے ساتھی تھے بہت محنتی طالب علم تھے آپ ہی کی طرح ان میں بھی پڑھنے کا جنون تھا آپ اور مفتی صاحب کئی کئی رات جاگ کر مطالعہ کرتے

آپس میں اس پر معاہدہ ہوگیا تھا کہ ہم مطالعہ کریں گے بات نہیں کرہں گے ۔

مفتی صاحب نے طبیعت بہت موزوں پائی تھی ایسی موزوں کہ بےساختہ اشعار ڈھلتے
تھے ، نماز پڑھ رہے ہیں، سلام پھیرتے ہی کاغذ قلم جیب سے نکالتے ہیں
کیا ہوا؟ دو شعر ہوگئے ، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اشعار ڈھلتے تھے وہ بھی معیاری ۔
رات کے دو بج رہے تھے آپ کہیں سے اپنے کمرے کی طرف جارہے تھے راستے
میں نودرہ پڑتا تھا، مفتی صاحب کودیکھا اکیلے بیٹھے کچھ لکھ رہے ہیں آپ ان کے پاس
تشرہف لے گئے اور پوچھا کیا کر رہے ہیں ؟ مفتی صاحب نے کہا اشعار لکھ رہا ہوں
پھر کہنے لگے آج ایک رسالہ میں پڑھا کہ فراق گورکھپوری ایک نشست میں دو سو
شعر کہہ لیتا ہے، میں اپنی طبیعت کو آزما رہا ہوں، آپ نے پوچھا
پھر کتنے شعر ہوئے؟ کہنے لگے دس بجے بیٹھا ہوں ڈھائی سو شعر کہہ چکا ہوں
آپ نے کہا ماشاء اللہ پھر آپ وہاں سے چلے گئے ۔

میسور کا دعوتی سفر

فراغت کے بعد آپ میدان عمل میں آئے اور سب سے پہلے اس کا باضابطہ موقع
میسور میں آیا جہالت وبدعت وہاں ڈیرہ ڈال رکھا تھا وہاں آپ نے جم کر کام کیا،
ایک دن میں کئی کئی جگہ تقریر کرتے آپ کی تقریر لوگ بہت پسند کرتے تھے
چنانچہ آپ میسور یونیورسٹی طلبہ کی دعوت پر ہر ہفتہ جانے لگے، لوگ آپ کی
بےلوثی اور اخلاص سے بہت متاثر ہوئے تبدیلی نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگی،
دومرتبہ وہاں کا سفر ہوا ۔
میسور کے پہلا سہ ماہی سفر کے بعد آپ باصرار جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس
تدریس کے لئے بلا لئے گئے ۔

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں

آپ باضابطہ طور پر پہلی بار مسند تدریس پر متمکن ہوئے جلالین تک کی تعلیم یہاں ہوتی تھی آپ کے متعلق قدوری، شرح تہذیب، قطبی، نورالانوار وغیرہ کی گئیں ۔

مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (مہتمم دار العلوم دیوبند) دوسال قبل سے یہاں مدرس تھے مفتی صاحب سے آپ کا خصوصی تعلق رہا

مفتی صاحب آپ کا بےحد احترام فرمایا کرتے تھے، اعلی ظرف اور نمونہ کے انسان تھے چھوٹے بھائی کی طرح آپ کے ساتھ برتاؤ کیا کرتے تھے اور اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے، آپ شوال تا شعبان رہ کر یہاں سے مستعفی ہوگئے ۔

رمضان میسور میں گزار کر عید میں وطن واپسی ہوئی ۔

شوال میں مدرسہدینیہ غازی پور کے لئے اصرار ہوا،آپ کو میسور جانا تھا کیونکہ وہاں لوگوں سےوعدہ کرکے آئے تھے جب غازی پور کے لئے اصرار بڑھا تو مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب اور اہل خانہ سے مشورہ کیا تو ان حضرات نے غازی پور کو ترجیح دی ۔

مدرسہ دینیہ غازی پور میں

آپ کام کے آدمی تھے، کام نہیں تو طبیعت میں انبساط وفرحت نہیں ، غازی پور جب آپ تشریف لائے تو یہاں طلبہ کی تعداد بہت کم تھی، عربی چہارم میں دو طالب علم تھے، سوم میں ایک، دوم صفر، اول میں دوتین، درجہ حفظ کے طلبہ کو ملا کر دارالاقامہ میں طلبہ کی کل تعداد بمشکل پندرہ تھی

شروع میں تو آپ کا دل نہیں لگ رہا تھا کچھ دنوں کے بعد طلبہ سے انس بڑھا تو طبیعت لگنے لگی اس کی وجہ ایک اور ہوئی بنارس سے کچھ طلبہ عربی چہارم کے

آپ کے پاس آگئے تھے کام بڑھا تو دل بھی بڑھا
آپ کو محنت کا میدان مل گیا تھا طلبہ پر تعلیمی وتربیتی محنت دن رات جم کر کیا ۔
جو طلبہ آپ کے پاس پڑھتے آپ کا گرویدہ ہوجاتے
درس کے دوران کچھ وقت بچا کر تعلیم کی رغبت دلاتے، بزرگوں کے واقعات سناتے
اس طرح طلبہ کو علم وعمل کی طرف راغب ومائل کرتے ۔
غازی پور میں دوسرے سال طلبہ کی تعداد بڑھ گئی تھی، بارہ چودہ کتابیں آپ
پڑھاتے، رات میں بہت کم سوتے صبح صادق سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے بیدار ہونے
کا معمول تھا تسبیح وظائف کی پابندی رہتی ۔
دیکھنے والے دانتوں میں انگلیاں کاٹتے ۔ ایک صاحب نے تو آپ کے بارے میں کہا
تھا کہ جنات سے مل کر آرہا ہوں، دن بھر پڑھاتا ہے رات نماز وتسبیح میں کٹتی
ہے مطالعہ کب کرتا ہے؟
توکل اس درجہ کا تھا کہ تھوڑی تنخواہ پر بسر کرتے، طلب واستعانت اللہ سے چاہتے
اور بہت روتے ۔
یہ عہد پہلے ہی کرلیا تھا کہ دینی خدمت میں عبادت وخدمت کی نیت ہوگی، روزی
ورزگار کا مالک اللہ کو سمجھتے غازی پور کے زمانہ میں صوم داؤدی کا اہتمام بھی کیا تھا ۔
دار العلوم دیوبند سے اخراج والا حادثہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کبھی نہیں بھول
پائے یہ درد آپ کو رہ رہ کر تڑپاتا تھا
آپ کی ہستی ریزہ ریزہ ہو گئی تھی
اس لئے طلبہ کو سمجھاتے کہ تنظیم سازی، جاہ طلبی وغیرہ سے ہمیشہ بچیں،

آپ فرماتے کہ حصول علم کی راہ میں نکمے اور بےوقوف بن کر رہو، اس کی وجہ سے جس لقب سے بھی پکارے جاؤ، برداشت کرو ۔

آپ اپنے شاگردوں سےخط وکتابت کےذریعےرابطےمیں رہتے اوررہنمائی فرماتے رہتے

آپ اصلاح وتبلیغ کے لئے جگہ بجگہ دورہ فرماتے اسی غرض سے دمکا ضلع کے ایک گاؤں غازی پور کے زمانہ میں ہی سالانہ چھٹی میں تشریف لے گئے تھے وہاں آپ سے اصلاحی کام بہت ہوا ۔

غرضیکہ آپ کی ساری زندگی جہد مسلسل کی مثال تھی اور حاجی بابو مدظلہ کی مانیں تو **آپ اس زمانے کے آدمی ہی نہیں تھے**

حاجی بابو سے یاد آیا آپ مولانا کے اخص الخواص شاگرد ہیں حاجی بابو نہ ہوتے تو آج **حکایت ہستی** ہمارے ہاتھوں میں نہ ہوتی بلکہ اس کی تخلیق ہی نہیں ہوتی اور ہم آپ کے اکثر حالات سے لاعلم رہ جاتے حاجی بابو مدظلہ کی ہی تحریک سے **حکایت ہستی** وجود میں آئی اس لئے سکی طرف سے ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

آپ کا تعلیمی، تبلیغی اور تدریسی سفر آگے بھی جاری رہا

مختلف مضامین پر دو درجن سے زائد آپ کی تصنیفات ہیں ۔

28 ستمبر 2013 کو آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے

رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

نوٹ :- میرے پیش نظر صرف آپ کی خود نوشت حکایت ہستی تھی اس لئے اس تحریر میں آگے کی تفصیلات درج نہیں ہے

اللہ مہربان گدھا پہلوان

بقلم :- مولانا توقیر بدر آزاد

کل ایک جگہ ایک عجیب و غریب بحث دیکھنے کو ملی.
دراصل وہاں عوام کے مابین رائج دو کہاوت موضوع بحث تھیں.
ایک تو یہ **'اللہ مہربان تو گدھا پہلوان'**
دوسرا تھا **'سیئاں بھئیل کوتوال تو ڈر کاہے کا'**
سردست پہلی کہاوت کو لیتے ہیں!
اس میں زیر بحث یہ باتیں تھیں! اللہ سے کیا مراد ہے؟ گدھا کسے کہا گیا ہے؟ اور پہلوان سے ہم کیا سمجھیں؟
اللہ کے متعلق زید نے یہ کہا کہ اس میں ہوشیار لوگوں کے بقول کہاوت ساز نے ڈر کے مارے 'شاہ، بڑا سردار، آقا، پیر، مخدوم، متہم ہیڈ، سینئر' کی جگہ 'اللہ' فٹ کردیا؛ تاکہ شاہ کا وزیر، بڑے سردار کا کوئی چھوٹا اوتار، آقا کا کوئی غیر زر خرید غلام، پیر کا کوئی چاپلوس جاہل مرید، مخدوم کا کوئی بے نام و دام خادم، متہم کا کوئی نازبردار خوشامدی اور سینئر کا یس باسیہ جونیئر اس کہاوت ساز کی کٹائی نہ کردے!
چنانچہ بلاغت کے پہلو سے دیکھا جائے، تو اس میں ایہام ہے، اشارہ ہے، کنایہ ہے.
اور یہی اس کا اصل حسن ہے وغیرہ وغیرہ!
اس تجویز و تحلیل سے عمر نے اتفاق کرتے اور بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے، یہ کہا کہ یہی معاملہ اور کلیہ 'گدھا' پر فٹ بیٹھتا ہے. گدھا سے کون سا اصلی شریف مطیع و

فرمانبردار جناب جانور مراد ہے؟اس سے اصل میں وہی بے کار وزیر،دو ٹکے کا نوکر،بے دام غلام، جاہل مرید اور بے دام خادم یا خوشامدی متہم اور یس باسیہ جونئیر مراد ہے.اس پر بکر نے اعتراض جتایا کہ گدھا جانور کو اتنی عزت کیوں کر دی جاسکتی ہے؟ گدھا سے مراد گدھا ہی ہے،چاہے کوئی بے حیثیت وزیر ہو،بے نام و دام خادم ہو،غلام ہو یا چاپلوس قسم کا جاہل مرید یا یس باسیہ جونیئر!اس پر سبھی شرکاء بحث مسکرا کر رہ گیے!

اس کے بعد سبھی شرکاء بحث نے 'پہلوان' کا محمل و مصداق تلاش کرنا شروع کیا.آدھا گھنٹہ تک سبھی سر کھپاتے رہے، مگر وہ متعین نہ ہوسکا.ایسا لگ رہا تھا کہ اب سبھی مل کر اس پر اتفاق کرلیں گے کہ پہلوان کا مصداق اور گدھے کے سر سے سینگ دونوں برابر ہیں. اس کا کوئی وجود نہیں اسکا کوئی اتا پتا نہیں!

جبھی ایک شریک بزم نے اس مشکل سے سبھی کو نکالا اور ایک فلسفیانہ لیکچر دیتے ہوییے، سبھی کو مخاطب کرکے سوالیہ انداز میں کہا ہم لوگ کب سے اتنے تنگ نظر اور جلد باز ہوگیے؟ آخر اسی کلیہ کو کام میں کیوں نہیں لاتے؟کہ پہلے جو وزیر و نوکر ہوتا ہے وہ جناب شاہ و آقا اور سردار کی عنایت و توجہ سے بنا کسی لیاقت و قابلیت کی فوراً ایک گدھا سے پہلوان مطلب شاہ، آقا اور سردار بن جاتا ہے. اسی کلیے کو لاگو کرکے پیر کی جگہ جاہل مرید لے لیتا ہے، مخدوم کی جگہ بے نام و دام خادم آجاتا ہے. متہم و سرپرست کی جگہ خائن چاپلوس سنبھال لیتا ہے. یس باسیہ جونیئر، اپنے سینئر کی کرسی ہتھیا لیتا ہے. اتنا سننا تھا کہ تالی کی گڑگڑاہٹ نے بعض لوگوں کی طرف سے ایں آں کو یکلخت دبادیا.

موت اس کی ہے کرے جس پر زمانہ افسوس

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

گذشتہ دنوں پڑوسی ملک کے ایک نامور عالم دین نے ایک اعلان دیا تھا کہ ملک کے کئی بڑے علماء کرام علیل چل رہے ہیں، ان کی صحت یابی کے لیے دعا کریں، ان شخصیات میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب اور مولانا محمد حنیف جالندھری کا نام شامل تھا، ان حضرات کی صحت کے لیے مختلف ممالک میں دعائیں ہو رہی تھیں کہ اچانک کل ۱۸/ذی قعدۃ ۱٤٤۲ مطابق ۳۰/ جون ۲۰۲۱ء بروز بدھ یہ خبر صاعقہ بن کر گری کہ علماء کے سرخیل، وفاق المدارس عربیہ کے صدر اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے روح رواں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب اپنے مالک حقیقی سے جاملے،

إنا لله وإنا إليه راجعون

موت تو برحق ہے اور ایسی حقیقت ہے جس کا آج تک کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکا، جو شخص بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے اس دنیا کی مقررہ زندگی گزار کر رب کریم کی بارگاہ میں جانا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

كل نفس ذائقة الموت ثم إلينا ترجعون[العنكبوت: ۵۷].

ہم اپنی آنکھوں سے روزانہ جنازے اٹھتے ہوئے دیکھتے ہیں، ہزاروں افراد کی موت کی خبر اخبارات میں شائع ہوتی ہے، ان میں بہت سے ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن پر

کوئی رونے والا نہیں ہوتا مگر بعض شخصیات ایسی نادرالوجود ہوتی ہیں کہ ان کی موت پر ایک زمانہ افسوس کرتا ہے، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت بھی ایسے ہی لوگوں میں تھی جن کی وفات پر بر صغیر کا علمی ودینی حلقہ ماتم کناں ہے۔

اللہ تعالی تعالی نے آپکو بہت خصوصیات سے نوازا تھا، آپ کی شخصیت مرجع الخلائق تھی، آپ نے پوری زندگی قال اللہ اور قال الرسول پڑھا اور پڑھایا اور اس پیغام کو اپنے ہزاروں شاگردوں تک پہنچایا۔

اللہ تعالی نےآپ کو طویل عمر عطا فرمائی اوراس عمر کو صحیح مقصد میں آپ نے صرف کیا، یوں ارشاد نبوی "طوبٰی لمن طال عمرہ وحسن عملہ" کی بشارت سے سرفراز ہوئے۔

پیدائش:

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ ضلع ایبٹ آباد کے گاؤں کوکل کے رہنے والے تھے، جہاں ایک دینی گھرانے میں ۱۹۳۵ء/۱۳۵٤ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

آپ کےوالد سکندر خان بن زمان خان کا شمار حلقہ کے با اثر افراد میں ہوتا تھا، آپ بڑے باوجاہت تھے۔ خاندان اور گاؤں کے تنازعات میں ان سے رجوع کیا جاتا تھا؛ جنہیں وہ خوش اسلوبی سے نمٹادیا کرتے تھے۔ بچپن ہی سے علماء و صلحاء سے گہرا تعلق تھا؛ جس کا اثر اُن کی زندگی پر ایسا نمایاں تھا کہ دینی معلومات آپ کو خوب مستحضر تھیں! جس کی بنا پر بہت سے علماء بھی آپ سے محتاط انداز میں گفتگو کرتے تھے، کیوں کہ غلط بات پرآپ ٹوک دیا کرتے تھے۔ نمازباجماعت کی پابندی، تلاوتِ قرآن

ذکرِ الٰہی، صلہ رحمی، اصلاح ذات البین، رأفت و شفقت، اور ضعفاء کی خبرگیری؛ ان کے خصوصی اوصاف تھے۔ مسجد کی خدمت و تعمیر سے بہت شغف تھا۔
ایسے دینی ماحول کا اثر آپکی زندگی پر بچپن سے پڑا، بچپن ہی سے آپ سلیم الفطرت تھے۔ آپ کے معاصرین گواہی دیتے ہیں کہ آپ میں جو نیکی و صلاح اس پیرانہ سالی میں نظر آتی ہے؛ یہ جوانی میں بھی اسی طرح دکھائی دیتی تھی۔ گویا آپ کا بچپن، جوانی، اور بڑھاپا نیکی و تقویٰ کے لحاظ سے ایک جیسا تھا۔

تعلیم:
قرآن کریم کی تعلیم اور میٹرک تک دنیاوی فنون گاؤں میں حاصل کیے۔ اس کے بعد ہری پور کے مدرسہ دارالعلوم چوہڑ شریف میں دو سال، اور احمد المدارس سکندر پور میں دو سال پڑھا۔
١٩٥٢ء میں مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالٰی کے مدرسہ دارالعلوم نانک واڑہ کراچی میں درجہ رابعہ سے درجہ سادسہ تک تعلیم حاصل کی۔ درجہ سابعہ و دورۂ حدیث کے لیے محدّث العصرعلامہ سید محمّد یوسف بنُوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا، اور ١٩٥٦ء میں فاتحۂِ فراغ پڑھا۔
(واضح رہے کہ اس مدرسہ میں درسِ نظامی کے پہلے طالبِ علم آپ ہی تھے۔) اس کے بعد آپ نے ١٩٦٢ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ(جس کے قیام کو ابھی دوسرا سال تھا) میں داخلہ لے کر چار سال علومِ نبویہ حاصل کیے۔ بعد ازاں جامعہ ازہر مصر میں ١٩٧٢ء میں داخلہ لیا، اور چار سال میں دکتورہ مکمل کیا؛ جس میں "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام الفقہ العراقی" کے عنوان سے مقالہ سپردِ قلم فرمایا۔

آپ نے متعدد اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا،
جن میں چند **مشہور اساتذہ** درج ذیل ہیں:
١۔۔۔: علامہ سیّد محمّد یوسف بنُوری(تلمیذ: محدّث علامہ کشمیری رح)۔
٢۔۔۔: مولانا عبدالحق نافع کاکاخیل(تلمیذ:حضرت شیخ الہندرح، واضح رہے کہ حضرت شیخ الہند کی اسارت مالٹا میں آپکے بڑے بھائی مولانا عزیر گل صاحب بھی ساتھ تھے)
٣۔۔۔: مولانا عبدالرّشید نعمانی
٤۔۔۔:مولانا لطفُ اللہ پشاوری۔
٥۔۔۔: مولانا سَحبان محمود۔
٦۔۔۔: مفتی ولی حَسن ٹونکی۔
٧۔۔۔: مولانا بدیع الزّماں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

درس و تدریس:

جب آپ جامعہ العلوم الاسلامیہ بنُوری ٹاؤن میں طالب علم تھے تو درسِ نظامی کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت بنُوری رح نے آپ کی صلاحیتوں کو جانچتے ہوئے اپنے مدرسہ کا استاذ مقرر فرمایا۔ آپ کا زمانۂِ تدریس ١٩٥٥ء سے تا وفات جاری رہا۔ جو کہ ٦٥/ سال کے عرصہ پر محیط ہے، درمیان میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ ازہر مصر جب آپ تعلیم کے سلسلے میں تشریف لے گئے تو جامعہ کی طرف سے آپ کو خصوصی رخصت دی گئی۔

بیعت و خلافت:

ظاہری علوم کی تکمیل کے علاوہ آپ کی باطنی تربیت میں بھی شیخ بنُوری کا سب سے

زیادہ حصہ تھا۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریا کاندہلوی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدَہما کی صحبت سے مستفید ہوئے، اور حضرت مولانا محمّد یوسف لدھیانوی شہید اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہا اللہ تعالیٰ سے اجازتِ بیعت و خلافت حاصل ہوئی۔

شیخ بنُوری رح کی نسبتوں کے امین

آپ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ کے سچے جانشین تھے اور ان کی نسبتوں کے امین تھے، حضرت بنُوری رح سے آپ کا تعلق اس وقت قائم ہوا جب آپ جامع مسجد بنُوری ٹاؤن میں عربی کلاس پڑھانے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، کلاس پڑھانے کے بعد کچھ دیر حضرت بنُوری رح کی خدمت میں حاضر رہتے، اگلے سال اسی مدرسہ میں داخلہ لےکر آپ نے یہ رسمی تعلق دائمی کرلیا، سفر وحضر میں خادم کی حیثیت سے ہمیشہ ساتھ رہتے۔ حضرت کو بھی آپ سے ایسی محبت تھی کہ اپنے مدرسہ میں استاذ مقرر فرمایا، مدینہ یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے چار سال کی رخصت دی، جامعہ ازہر میں داخلہ کےلیے خودساتھ لےگئے، ۱۹۶۱ء میں حج پر ساتھ لے گئے تو حج کے تمام مناسک اپنی نگرانی میں کروائے، کیوں کہ یہ ڈاکٹر صاحب کا پہلا حج تھا۔ انہی محبتوں و شفقتوں نے آپ کو اپنے شیخ کا ایسا گرویدہ بنادیا کہ زندگی بھرکےلیے انہی کے ہوکر رہ گئے۔ شیخ کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تک یہ کیفیت رہی کہ جہاں شیخ کا تذکرہ چھڑتا تو آپکی آنکھیں ضبط نہ کرپاتیں اور پھر بڑے والہانہ انداز میں شیخ کے واقعات سناتے۔ اس وقت آپ اپنے شیخ کی تمام نسبتوں کے امین اور ان کے مسند نشین و جانشین تھے۔ شیخ بنُوری رح بیک وقت "صدرِ وفاق، امیرِ

مجلس تحفظ ختم نبوت، رئیس و شیخ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن تھے"؛ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی اس وقت ان تمام مناصب پر فائز ہوئے۔ آپ فناء فی الشیخ کی تصویر، اور شیخ کی نسبتِ اتحادی کا مظہر اتمّ تھے۔ اپنے شیخ کی نسبت ہی وجہ سے آپ پورے ملک کے مشائخ و اہل اللہ کے معتَمد، مرجع الخلائق، اور آپ کی ذات ایسی غیر متنازع شخصیت تھی جس کی وجہ سے سب کی عقیدت و احترام آپ کو حاصل تھا۔ اور آپ کی مجلس و صحبت سے استفادہ کرنا ہر شخص اپنی سعادت سمجھتا تھا۔

چند سال پہلے جب آپ کا ہندوستان کا سفر ہوا اور دیوبند حاضری ہوئی تو مسجد رشید میں استقبالیہ جلسہ ہوا،دارالعلوم دیوبندکےسابق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعیداحمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ نے بہت اکرام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور آپ کا تعارف کرایا۔

" جامعة العلوم الاسلاميه علامه بنوری ٹاؤن سے تعلق "

جس طرح آپ کو اپنے شیخ سے تعلق تھا، اسی طرح اپنی مادر علمی سے بھی تعلق تھا، جو تعلق ۱۹۵۵ء میں اس مدرسہ کے درسِ نظامی کے پہلے طالبِ علم کی حیثیت سے استوار ہوا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے دورانِ طالبِ علمی ہی حضرت بَنُوری رح نے آپ کی عمدہ استعداد کی بناء پر آپ کو استاذ مقرر فرما کر یہ تعلق اور مضبوط کردیا، ۱۹۷۷ء میں انتظامی صلاحیتوں کے اعتراف میں ناظمِ تعلیمات مقرر ہوئے، ۱۹۹۷ء میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رح (صاحب کشف النقاب عما یقول الترمذی وفی الباب) کی شہادت کے بعد رئیس الجامعۃ کے لیے آپ کا انتخاب ہوا اور ۲۰۰٤ء میں مفتی نظام الدین شامزئی شہید رح کی شہادت کے بعد شیخ الحدیث کے مسند نشین بنے؛ جس پر آخر عمر تک آپ قائم رہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تعلق

امیرِ شریعت سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیرِ امارت عقیدۂ ختمِ نُبوّت کے تحفظ اور فتنۂ قادیانیت کے تعاقب کے لیے یہ جماعت قیامِ پاکستان کے بعد وجود میں آئی۔ ۱۹۷٤ء میں شیخ بَنُوری رح کی زیرِ امارت اس جماعت کی چلائی جانے والی تحریک کے نتیجہ میں آئینِ پاکستان میں عقیدۂ ختمِ نُبوّت کا تحفظ ممکن ہوا، حضرت ڈاکٹر صاحب ۱۹۸۱ء میں اس جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ رح کے وصال (۲۰۰۸ء) کے بعد آپ نائب امیر مرکزیہ بنائے گئے۔ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رح کے انتقال (۲۰۱۵ء) کے بعد آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ منتخب ہوئے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے تعلق

قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانانِ پاکستان کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے، مملکتِ خداداد پاکستان میں دینی مدارس کے تحفظ و استحکام اور باہمی ربط کو مضبوط بنانے، اور مدارس کو منظّم کرنے کے لیے اکابر علمائے اہلِ سنّت و جماعت دیوبند کی زیرِ قیادت ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت یہ ملک کا سب سے بڑا دینی مدارس کا بورڈ ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کے شیخ محدّث بَنُوری رح کا اس ادارہ کے قیام میں دیگر اکابر کے ساتھ بنیادی کردار رہا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب وفاق کی مجلسِ عاملہ کے رُکن بنائے گئے۔ ۲۰۰۱ء میں نائب صدر مقرر ہوئے، اس دوران آپ صدرِ وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رح کی بیماری و ضعف کے باعث کئی بار اُن

کی نیابت کرتے رہے، اور اُن کی وفات کے بعد تقریباً ۹/ ماہ قائم مقام صدر رہے۔
۱٤/ محرّم الحرام ١٤٣٩ھ/ ۵/ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو آپ متفقہ طور پر مستقل صدر منتخب
ہوئے۔ اسکے علاوہ آپ وفاق کی نصاب کمیٹی اور امتحان کمیٹی کے بھی سربراہ تھے۔
گذشتہ دنوں وفاق المدارس کا جلسہ ہوا، جس میں آپ نے اپنی بیماری کی وجہ سے
خدمت سے معذرت کرتے ہوئے صدر کے عہدے سے دست بردار ہونے کا ارادہ
کیاتو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس موقع
پر بہت اہم بات ارشادفرمائی، جس سے قارئین کو آپ کی علمی حیثیت کا اندازہ ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے خطاب کے آخر میں فرمایا کہ:

"میں تجویز دیتا ہوں کہ مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مدظلہ ہی صدر رہیں اور اگر
کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ کمزور ہیں، خود نہیں آسکتے، مجالس اور میٹنگز میں شرکت نہیں
کرسکتے تو میں اس پر واقعہ سناتا ہوں"۔

**"دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے دیکھا کہ اساتذہ تاخیر
سے آرہے ہیں توانہوں نےیہ علاج سوچا کہ صبح صبح مدرسے کے دروازے کے ساتھ
چارپائی لگا کر بیٹھ جاتے اور ہر آنے والے استاذ کو سلام کرتے، یوں چند ہی دن میں
سب وقت پر آنے لگے البتہ صدر مدرس مولانا یعقوب نانوتوی جب گھر سے نکلتے تو
کوئی دم کروتا، کوئی تعویذ لیتا،کوئی دعا کرواتا تو لوگوں کی دلجوئی میں حضرت تاخیر سے
پہنچتے تو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے مدرسہ کے سرپرست اعلی حضرت گنگوہی
رحمہ اللہ سے مشورہ کیا کہ کیاکیا جائےتو انہوں نےفرمایا کہ اگر مولانا یعقوب نانوتوی
رح پورے دن میں ایک دفعہ بھی دارالعلوم کا ایک چکر لگا جایا کریں تو بھی سودا مہنگا**

نہیں کہ ان کا نفس وجود ہی باعث برکت ہے، یہ ایسے ہیں ! تو میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کا نفس وجود ہی باعث برکت ہے"

تصانیف و تالیفات

١۔۔۔: الطريقة العصرية۔

٢۔۔۔: كيف تعلم اللغة العربية لغير الناطقين بها۔

٣۔۔۔: القاموس الصغير۔

٤۔۔۔: مؤقف الامة الاسلامية من القاديانية۔

٥۔۔۔: تدوين الحديث۔

٦۔۔۔: اختلاف الامة والصراط المستقيم۔

٧۔۔۔: جماعة التبليغ و منهجها فی الدعوة۔

٨۔۔۔: هل الذكرية مسلمون؟۔

٩۔۔۔: الفرق بين القاديانيين و بين سائر الكفار۔

١٠۔۔۔: الاسلام و اعداد الشباب۔

١١۔۔۔: تبلیغی جماعت اور اس کا طریقۂ کار۔

١٢۔۔۔: چند اہم اسلامی آداب۔

١٣۔۔۔: محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

١٤۔۔۔: حضرت علی اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کی زیادہ تر تصانیف اردو سے عربی، اور کچھ عربی سے اردو میں مترجَم ہیں۔
جبکہ مشہور کتاب **"الطريقة العصرية"** عرصہ دراز سے وفاق المدارس کے نصاب میں شامل ہے۔
اسی طرح آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی کئی اردو مطبوعات کا عربی میں ترجمہ کرکے عرب ممالک میں اِنہیں عام فرمایا۔
علاوہ ازیں آپ نے عربی و اردو میں بےشمار مقالات و مضامین سُپردِ قلم فرمائے ہیں، جو عربی و اردو مجلّات، رسائل و جرائد، اوراخبارات کی زینت بنے اور مختلف کانفرنسوں میں پڑھے گئے ہیں۔
اِن میں سے اردو مضامین تین مجموعوں کی شکل میں مرتَّب ہوچکے ہیں:
۱۔۔۔: مشاہدات و تاثرات۔
۲۔۔۔: اصلاحی گزارشات۔
۳۔۔۔: تحفظِ مدارس اور علما و طلبہ سے چند باتیں۔
دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

نبوت کے تین اہم مقاصد

بقلم :- مولانا ندیم بو الاعظمی

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ، وان کانوا من قبل لفي ضلال مبین

ترجمہ : بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا،جو انہیں اسکی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے ، یقینا یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔۔۔

اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں

(1) تلاوت آیات (2) تزکیہ (3) تعلیم کتاب و حکمت

تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آجاتی ہے ، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔

اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔

قرآن کے معنی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم واستعداد بہم نہ پہنچ جائے ، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ اللہ تعالی ہمیں تلاوتِ قرآن کے ساتھ اسے سمجھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین یارب العالمین

جدید فضلا کی تحقیق

بقلم :- مولانا کلیم احمد نانوتوی قاسمی

آج کل کے نوجوان فضلا، جن کا علم میری طرح ناقص، عقل غیر تام، عملی زندگی قرآن و سنت سے تقریباً خالی، سنت نبوی سے عدم آراستگی، اسلاف کی راہوں سے ناواقفیت اور تعمیری کاموں سے زندگی یکسر خالی ہے، میں ان کو دیکھتا ہوں کہ الفاظ کی عمدہ ترکیب، جملوں کی شناخت، ادبی معلومات، ملمع سازی اور تصنع میں مہارت کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو ماسوائے خود سے برتر، بے نیاز اور اعلی سمجھنے لگتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ : "نئے فضلا اپنی تحریروں میں اکابر و اسلاف کا حوالہ پیش کرتے ہیں، ان کو قرآن کریم کے حوالہ جات کو تلاش کر کے پیش کرنا چاہیے"۔۔۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ : اسلاف و اکابر کی جو باتیں نقل کی جاتی ہیں، کیا وہ قرآن و حدیث کے مخالف و معارض ہے؟ یا آپ ان سے زیادہ تدبر قرآن کرتے ہیں؟

قرآن کریم کے معانی و مفاہیم میں غور و فکر کرنا بہت اچھی بات ہے ؛ لیکن آج کے نوجوان فضلا، اسلاف و اکابر کی کتابوں اور تفاسیر کو سامنے رکھ کر ہی تو قرآن سمجھیں گے نا۔۔۔؟ یا آپ اپنے آپ کو تفاسیر سے بے نیاز سمجھ کر نئے مطالب و معانی کے استنباط پر قدرت رکھتے ہیں؟ یہ تو کچھ لوگوں کی سازش رہی ہے کہ تفاسیر وغیرہ سے انقطاع کی تحریک چلا کر کتاب اللہ کے معانی و مفاہیم اپنے من کے مطابق بیان کر دیے جائیں۔ میں تو صاف کہتا ہوں کہ : آج کے دور میں کوئی بھی فاضلِ نو تدبر قرآن کی راہ میں آگے بڑھنا چاہے تو اکابر و اسلاف کو مضبوطی سے

تھامنا ہوگا، خود کی تحقیق(جو دراصل تحقیق نہیں ہوتی؛ بل کہ عموماً ذریعۂ فساد اور خلاف اجماع ہوتی ہے) پر اتراتے پھرنا، براہ راست قرآن حکیم سے استدلالات پر ابھارنا اور اکابر و اسلاف کی کتابوں و اقوال سے حوالہ نقل کرنے کو معیوب سمجھنے جیسی خود فریبی کی حرکتوں کو چھوڑنا ہوگا۔ ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے وہ نابغے پیدا ہوتے ہیں جو قرآن کی آیات سے غلط مفہوم نکال کر مقدس جماعت کو بھی ہدف ملامت بنانے سے گریز نہیں کرتے۔ ایسے بہت سے لوگ دیکھے جا چکے ہیں جن کو تحقیق کا کیڑا کاٹتا رہتا تھا تو خود ساختہ نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے میں وہ اپنا شرذمہ الگ بنا لے گئے۔ خود ساختہ تحقیق کو پرکھنے کا بہترین آلہ، ائمہ و اسلاف کی کتابیں ہیں!

اس لیے کسی بھی ساحرانہ اسلوب سے متاثر ہو کر ایسی راہ پر اپنے آپ کو ڈالنے سے بچیں جو آخرکار آپ کو سب سے جدا کر دے گی اور آپ کو خلاف اجماع تحقیقات کا عادی بنا دے گی۔ تدبر قرآن کے ساتھ ابتدا میں اپنے اکابر و اسلاف کی کتابوں کا مطالعہ لازمی طور پر کریں، ایسے نابغوں کی طرف توجہ نہ کریں، تھوڑا کھرچ کر دیکھ لیا کریں کہ نیچے مٹی ہے یا سونا۔۔۔!

یوپی الیکشن اور سنگھ پریوار کا بدلتا پلان

بقلم :- مولانا سرفراز احمد قاسمی،حیدرآباد

آنے والے چند مہینوں میں پانچ ریاستوں میں انتخابات ہونے والے ہیں،جسکی تیاری بی جے پی نےابھی سے ہی شروع کردی ہے،2022 میں یوپی سمیت اتراکھنڈ، ہماچل پردیش اورپنجاب کےعلاوہ گجرات میں بھی الیکشن ہونگے،یہ الیکشن آئندہ سال کے شروع میں منعقدہونےوالے ہیں،ان پانچ ریاستوں میں سےچارمیں بی جے پی برسراقتدار ہے،جبکہ ایک ریاست میں کانگریس کی حکومت ہے،ان ریاستوں کی اسمبلی انتخابات کےلیے 6 ماہ سے بھی کم عرصہ باقی رہ گیاہے،ان پانچ ریاستوں میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل اترپردیش ہے،یہ ریاست بی جے پی کےلئے اس وجہ سے بھی اہم ہےکہ دہلی کا راستہ یوپی ہوکرہی گذرتا ہے،یوپی نہ صرف یہ کہ آبادی کے لحاظ سےملک کی سب سے بڑی ریاست ہے،بلکہ سب سےارکان لوک سبھا وراجیہ سبھا بھی یہیں سےآتے ہیں،اسلئے آرایس ایس نے وہاں انتخابی ہل چل شروع کردی ہے، کیونکہ 2024 میں پارلیمانی الیکشن بھی ہوگا، اسی لئے یوپی کو فتح کرنے کی تیاری شروع کردی گئی ہے،یوپی میں یوگی کی ناکامی آشکارا ہوچکی ہے،جس طرح ملک کی تاریخ میں مودی سب سے ناکام اورجھوٹے پی ایم ثابت ہوئے ٹھیک اسی طرح یوپی میں یوگی انتہائی ناکام وزیراعلیٰ کی لسٹ میں شامل ہوگئے،سی ایم یوگی کے خلاف خوداسی پارٹی کے نمائندے وقفے وقفے سے آواز اٹھاتے رہےہیں،اسکے علاوہ اپوزیشن پارٹیاں بھی مسلسل یوگی کونشانہ بناتی رہی ہیں اورانکی ناکامیوں کواجاگرکرتی رہی ہیں،

ایسے میں بی جے پی کے لئے ایک بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ اپوزیشن پارٹیوں کے ساتھ ساتھ داخلی اختلافات سے بھی نمٹے،آپ کو یاد ہوگا کہ بنگال میں پوری طاقت جھونکنے اورپوری شدت کے ساتھ مہم چلانے کے باوجوداس پارٹی کو ناکامی ہاتھ لگی تھی اورشکست سے دوچار ہوناپڑاتھا،صرف بنگال ہی نہیں بلکہ دہلی، بہاراورجھارکھنڈ میں بھی بی جے پی کی کراری ہار ہوئی تھی اورآرایس ایس کی حکمت عملی ناکام ہوگئی تھی،ان شکستوں کے بعداب آرایس ایس نے اپنی حکمت عملی تبدیل کردی ہے، لاک ڈاؤن اورکرفیوکےباوجود بی جے پی کے قومی قائدین مسلسل اترپردیش کادورہ اوروہاں میٹنگیں کررہےہیں جس میں آرایس ایس کے نمائندے بھی خاص طورپر شریک ہیں،چیف منسٹر یوگی آدتیہ ناتھ کی کارکردگی کاجائزہ بھی لیاجارہاہے اور پلاننگ میں تبدیلی کی جارہی ہے،جب سےیوپی میں الیکشن کی ہل چل شروع ہوئی ہے،ایسالگتاہے کہ وہاں ہاہاکار مچاہواہے،کسانوں کی ناراضگی،لاک ڈاؤن کی ناکامی،اورباہمی انتشار کو دیکھتے ہوئے حکمراں پارٹی امکانی شکست سے بچنے کےلئے پھر ایک بار رام بھروسے ہوگئی ہے، جذباتی ایشو پھرسےاٹھانے کی تیاری ہوچکی ہے،6جون کو مقامی اخبارنے ایک خبر شائع کی تھی،جس کی سرخی کچھ اس طرح تھی کہ "مشن یوپی کےلئے رام مندر کامسئلہ اہم،ہندوؤں کے جذباتی پہلوؤں کو کیاجائے گاکیش"اس خبر میں یہ بھی تھاکہ "مغربی بنگال کے انتخابات میں ممتابنرجی کی بنگالی شناخت کے معاملے پر گھٹنے کے بل شکست تسلیم کرچکی بی جے پی اب ان امور کاسہارا لےگی جو یوپی انتخابات میں عام ہندوؤں کےجذبات سے تعلق رکھتے ہونگے،پارٹی کے قابل اعتماد ذرائع کے مطابق بی جے پی رام مندرکومرکز میں رکھ کر پوری مہم کا خاکہ تیار کرے گی،بی جے پی ہائی کمان بھی

اس بات سے متفق ہے کہ جسطرح ممتا بنرجی نے بنگالی شناخت کا معاملہ اٹھاکر بی جے پی کو شکست فاش دی تھی اسی طرح بی جے پی رام مندر کا مسئلہ اٹھاکر ہندوؤں کو آسانی سے اپنے مشن سے جوڑسکتی ہے،بی جے پی کے ایک سابق ریاستی صدرنے (دینک بھاسکر)ایک مقامی اخبار سے اپنے گفتگو میں کہاکہ بی جے پی قوم پرستی اورمذہبی جذبات سے تعلق رکھنے والے امور کو ملحوظ نظر رکھ کر ہی یوپی انتخابات کی تیاری کرے گی،پارٹی کے مطابق رام مندر کے مسئلے کو مہم کا اہم حصہ بناناچاہئے،کیو نکہ رام مندر بی جے پی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،خاص طور پر ہندوؤں کے ایک بڑے طبقے کو رام مندر سے جذباتی لگاؤ بھی ہے،انھوں نے کہاکہ آپ دیکھیں کہ کس طرح بنگال انتخابات میں بنگالی شناخت کے مسئلے نے غلبہ حاصل کیا،اس نے ممتا کو الیکشن جیتنے میں بہت مدد کی،اسطرح کےامور ہمیشہ مؤثرہوتے ہیں جولوگوں سےجذبات سے وابستہ ہواکرتے ہیں،اسی کے پیش نظر آنے والے دنوں میں کارکنان کو جوڑنے کے لئے "ایودھیا توصرف جھانکی ہے،کاشی متھرا باقی ہے"کے نام سے ایک مہم چلائی جائے گی،بی جےپی ذرائع نے بتایاکہ انتخابی مہم کو دومرحلوں میں رکھاگیاہے،اس وقت وبائی مرض کےپیش نظرعوامی تقریبات پرتوجہ دی جائے گی،لیکن انتخابات قریب آتے ہی عوام کے ذہن کو ان امور کیطرف مبذول کرانے کی کوشش کی جائے گی،جوامور بی جے پی کےکٹر ہندتوا شبیہ سے وابستہ ہیں،پارٹی رہنماؤں کے مطابق پارٹی تنظیم کے عہدیدار بی ایل سنتوش اوررادھا موہن سنگھ نے بھی ملاقات کے دوران تشویش کا اظہار کیاتھا کہ کارکنوں کی نچلی سطح پر رابطے میں کمی آرہی ہے،پارٹی کے دونوں رہنماؤں نے اس پرزیادہ توجہ دینے کی ہدایت دی تھی،دونوں نے تسلیم کیاتھاکہ زمینی

رابطے میں کمزوری کے سبب اپوزیشن جماعتوں کو غلبہ حاصل کرنے کا موقع مل رہاہے،اسکی وجہ سے لوگوں میں یوگی حکومت کے خلاف ناراضگی بڑھ رہی ہے،وباء کی دوسری لہر میں بھی یوگی حکومت کو اپنے وزراء،ممبران پارلیمنٹ اورممبران اسمبلی کی ناراضگی دیکھنی پڑی ہے،جسکی وجہ سے پارٹی کسی بھی قسم کا کوئی رسک نہیں لیناچاہتی ہے،کئی وزراء اورایم ایل اے نے براہ راست سی ایم یوگی کو خط لکھکر اپنی ناراضگی کا اظہار کیاہے،اسکی وجہ سے پارٹی حکومت کے کئے کاموں کے ساتھ ہندوؤں سے تعلق رکھنے والے جذباتی امورکو کیش کرنے کی کوشش کرے گی" یہ مقامی اخبارکی پوری خبرہے،اس نیوز سے آپ نے اندازہ کرلیاہوگاکہ یوپی میں حالات کتنی تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں،یوپی میں مسلم نوجوانوں کے خلاف ماب لنچنگ کا سلسلہ بھی جاری ہے،مساجدکی شہادت،اشتعال انگیز بیان بازی،تشدد اورظلم وزیادتی وغیرہ میں بھی اضافہ ہوگیاہے،ایسے میں منصوبہ بند طریقے سے ہندو مسلم فسادات بھی کرائے جائیں گے،تاکہ ہرصورت میں اترپردیش کوفتح کیاجاسکے،مغربی بنگال کی شکست کے ساتھ ہی کوڈکی دوسری لہر کوروکنے میں ناکامی کی وجہ سے نریندرمودی تنقیدوں کی زدمیں ہیں،وہیں یوگی پربھی کووڈ سے لاپرواہی اورگائیوں کے تحفظ کواہمیت دینے کے لئے تنقیدیں کی جارہی ہیں،علاوہ ازیں حالیہ پنچایت انتخابات میں بی جے پی کے ناقص اورسماج وادی پارٹی کے بہتر مظاہرے نے بی جے پی کو بے چین اورپریشان کردیاہے،دوسری طرف اپوزیشن پارٹیوں کی جانب سے ابھی تک کوئی ہل چل سامنے نہیں آئی ہے،سات برسوں میں عوام نے اتناتو جان ہی لیاہے کہ ترقی کاوعدہ صرف جملہ اوردلاسہ ہے،اصل مقصدکچھ اورہے جسکے لئے بی جے پی اوراسکی ہم خیال پارٹیاں

ایڑی چوٹی کازورلگارہی ہیں،آرایس ایس نے یوپی الیکشن کے لئے اپناپلان تبدیل کردیا ہے،ایک اخباری رپورٹ کے رپورٹ کے مطابق"اترپردیش میں بی جے پی کی مستقبل کی سیاست کاخاکہ دہلی میں قریب قریب طے کرلیاگیاہے،آرایس ایس کی دہلی کی میٹنگ میں 2022میں اترپردیش میں اسمبلی انتخاب وزیراعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ کی قیادت میں لڑنے کافیصلہ کیاگیاہے،اس سے بھی اہم فیصلہ یہ ماناجاسکتاہے کہ اترپردیش اوردوسری پانچ ریاستوں میں ہونےوالےالیکشن میں اب نریندر مودی چہرہ نہیں ہونگے سنگھ پریوار کاماناہےکہ علاقائی لیڈران کے مقابلے وزیر اعظم نریندر مودی کے چہرے کوسامنے رکھنے سے انکی شبیہ کونقصان ہواہے،مخالفین بلاوجہ انہیں نشانہ بناتے ہیں،سنگھ پریوار کسی بھی لیڈر کو الگ کرنے یا ناراضگی کے ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے،اب اس پر یوگی کو کھرا اترنا ہے،مہاراشٹر میں شردپوار کنبہ کو ساتھ لانے پر بھی غور ہورہاہے،بنگال میں ممتا بنام مودی سے نقصان ہوا،آرایس ایس کی دہلی میں ہوئی میٹنگ میں سرسنگھ سنچالک موہن بھاگوت اورجنرل سکریٹری دتاتریہ ہوسبولے کی موجودگی میں یہ فیصلہ کیاگیاہے،ذرائع کا کہنا ہے کہ اس میٹنگ میں مغربی بنگال کے انتخاب پر بھی تبادلہ خیال کیاگیا،سنگھ لیڈران کا ماننا ہے کہ مغربی بنگال کے اسمبلی انتخابات میں ممتا بنام مودی کی پالیسی سے نقصان ہوا،اس میں انتخاب ہارنے سے زیادہ اہم یہ ہے کہ سیاسی مخالفین کو مودی پر بار بار حملہ کرنے کا موقع ملا،اس سے اسکی امیج کو نقصان ہوتاہے،اس سے قبل بھی بہار میں 2015 کے اسمبلی انتخاب میں نتیش کمار کے خلاف اورپھر دہلی الیکشن میں کیجریوال کے خلاف بھی پالیسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا،اسکے ساتھ ہی مغربی بنگال کی وزیراعلیٰ ممتا بنرجی اورکانگریس نے

مودی کی امیج مسلمان مخالف بنانے کی پالیسی اپنائی،اس سے مسلم ووٹر متحد ہوگئے اور 70فیصد سے زیادہ مسلمانوں نے ترنمول کانگریس کو ووٹ دیکر انتخابی نتائج کو یک طرفہ کردیا،مغربی بنگال کے ساتھ اترپردیش میں بھی مسلمانوں کی کافی آبادی ہے اور قریب 75سیٹوں پر وہاں کے مسلمان انتخابی نتائج پر اثرڈال سکتے ہیں،اترپردیش میں بھی مودی کوچہرہ بنانے پر سماج وادی پارٹی اورکانگریس پھرسے مسلمانوں کو متحد کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہیں،ذرائع کے مطابق میٹنگ میں کہاگیاکہ خاص طور سے مشرقی اترپردیش میں یوگی کی امیج مسلم مخالف نہیں ہے،گورکھپور سے جڑے علاقوں میں مسلمانوں اورپچھڑوں میں گورکھ ناتھ مندر پربھروسہ ہے،وزیراعلیٰ بننے سے قبل تک یوگی آدتیہ ناتھ مندر کے مہنت کے طور پرمقامی مسلمانوں کے تنازعات حل کرتے اورانکی مدد بھی کرتے رہے ہیں،مکرسنکرانتی پر مندر میں لگنے والے کھچڑی میلہ میں زیادہ تردکانیں مسلمانوں کی ہوتی ہیں،ذرائع کے مطابق ایک اوراہم بات پر سنجیدگی سے غورکیاگیاہےکہ اس مرتبہ اترپردیش اسمبلی انتخاب میں بی جے پی مسلم امیدواروں کو بھی میدان میں اتارے گی،اس سے اسکی مسلم مخالف شبیہ بنانے کاموقع مخالفین کو نہیں ملےگا،اس پرآخری فیصلہ پارٹی کوکرناہے،غورطلب ہے کہ گذشتہ الیکشن میں بی جے پی نے ایک بھی مسلم امیدوار کو ٹکٹ نہیں دیاتھا،دوسری طرف آرایس ایس کے ایک سینئر لیڈر نے دعویٰ کیاہےکہ یوگی اورمودی کے درمیان کوئی تنازع نہیں ہے اوریوپی بی جے پی کے ٹویٹر اکاؤنٹ یا پوسٹرسے مودی کی تصویر ہٹانے کی وجہ اسمبلی الیکشن،یوگی کے چہرے کےساتھ لڑنے کافیصلہ ہی ہے،دونوں لیڈروں کوساتھ کام کرنے اور اس شبیہ کو مضبوط کرنے کےلئے کہاگیاہے،اسلئے اب یوپی کے پوسٹر پر

یوگی آدتیہ ناتھ کے علاوہ یوپی بی جے پی کے صدرسوتنتر دیوسنگھ،دونوں نائب وزرائے اعلی کیشوپرسادموریہ اوردنیش شرما دکھائی دیں گے،شایداسلئے پیرکی شام مودی کے قوم کے نام خطاب کو دیکھتے ہوئے یوگی کی تصویر جاری کی گئی ہے" یہ ہے اخبار کی ایک دوسری رپورٹ،اس رپورٹ سے اتنا توصاف ہے کہ ابھی آرایس ایس کو مودی اوریوگی دونوں ماڈل کی ضرورت ہے،جب آرایس ایس کولگے گا کہ اب یہ دونوں ہمارے کام کے نہیں ہیں تو جیسے اڈوانی اورجوشی وغیرہ کونکال باہر کردیاگیا ٹھیک اسی طرح ان لوگوں کوبھی باہرکردیاجائےگا،اڈوانی اورجوشی وغیرہ کوبھی آرایس ایس نے پوری قوت کے ساتھ استعمال کیاتھا،جیسے ابھی مودی،یوگی اورامت شاہ وغیرہ کواستعمال کیاجارہاہے،توگڑیہ اوراڈوانی جیساحشران لوگوں کاکب ہوگااسکےلئے ہمیں انتظار کرناپڑے گا،یوپی الیکشن میں آرایس ایس کابدلتاپلان کیاگل کھلائےگا،اورکتنی کامیابی اسے حاصل ہوگی یہ بھی دیکھنے والی بات ہوگی،اپوزیشن پارٹیاں کس طرح وہاں مقابلہ کرتی ہیں،ممتا اورکیجری وال کی طرح یوپی میں اپوزیشن پارٹیاں الیکشن لڑنے کاحوصلہ کرپائیں گی یانہیں یہ بھی وقت بتائےگاکہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے،بنگال کےنتائج نے یہ توثابت کردیاہے کہ ابھی ملک میں مسلمانوں کاووٹ بیکار نہیں ہے،اوراب آر ایس ایس جیسی مسلم مخالف،شدت پسند تنظیم کومسلمانوں کی طاقت،انکے اتحاد اورانکے یکطرفہ فیصلے کااحساس ہے اوروہ مسلمانوں کونظرانداز نہیں کرسکتے،کیایوپی کے مسلمان، بنگال کےمسلمانوں سے سبق لیکر اپنی حکمت عملی مرتب کرسکیں گے؟ اورفرقہ پرستوں کوناکام کرنے میں اہم کردار اداکریں گے اسپراترپردیش کے مسلمانوں کوسوچنا اور غور کرناہوگا۔۔۔۔ (مضمون نگار کل ہندمعاشرہ بچاؤتحریک کے جنرل سکریٹری ہیں)

بھکت کا پوس ماٹم ، عقلی دلائل کی روشنی میں

بقلم :- مولانا اظہر جمال قاسمی جونپوری

فیسبوک پر گاے بھکت کو دئے گئے جواب کی تفصیل

بھکت... مسلمان جانوروں اور گاے ماتا کی ہتیا کرتے ہیں سب سے بڑے آتنکوادی ہیں
بندہ... اچھاسر یہ بتایئے کیا کبھی آپ نے شیر کو ٹیوی میں جانوروں کو مارتے دیکھا ہے

بھکت... جی دیکھا ہے
بندہ... اگر شیر گاے کو آپ کے سامنے مارے تو کیا تب بھی آپ کو تکلیف ہوتی ہے

بھکت. وہ جانور ہیں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں کیا آپ بھی جانور ہیں.
بندہ ..اگر جانور دوسرے جانور کا گوشت کھائے اور میں بھی گوشت کھاؤں تو میں جانور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ بھی جانور ہیں کیونکہ بہت سے جانور شاکاہاری ہیں اور آپ بھی شاکاہاری تو آپ بھی جانور. خیر

اگر گائے ماتا ہے تو ماتا کو کوئ بھی مارے تکلیف ہونی چاہئے کیوں شیر مارتا ہے تو تکلیف نہیں ہوتی.
بھکت... ارے وہ جانور ہیں ایک ہی نسل کے لوگ ہیں ایک دوسرے کو مارے کھائیں

آپ سے کیا مطلب مدرسہ چھاپ زمین چپٹی ہے مدرسہ میں یہی پڑھایا جاتا ہے پنچر بنانے والوں

بندہ... سنجیدگی سر آپ پڑھے لکھے ہیں اچھا تو آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ شیر اور گائے ایک برادری ایک نسل کے ہیں تو وہ آپ کی ماتا کو مار سکتا ہے لیکن یہ تو اور بڑا جرم ہے مثال کے طور پر آپ کی حقیقی ماں کو اگر آپ کی برادری گھر خاندان کا کوئی انسان مار ڈالے یا آپ کی حقیقی ماں کو کتا کانٹ لے اور وہ مر جائے تو کسکا جرم زیادہ بڑا ہے آپ کی برادی اور خاندان والوں کا یا کتے کا .سچائی یہ ہے کہ آپ کو گاے سے محبت نہیں مسلمانوں سے نفرت ہے اگر گائے سے محبت ہوتی تو شیر بھی مارتا اس سے بھی تکلیف ہوتی
بھکت... آف لائن ہو گیا ہے

کیا میری رسوائیوں میں تیری رسوائی نہیں؟

بقلم :- مولانا شمس پرویز مظاھری

تاریخ شاھد ہے کہ ہر دور میں اسلام اور مسلمانوں کو کسی بھی میدان میں شکست کا سامنا کرنا پڑاہے تو اسکی وجہ باطل کی مضبوط حکمت عملی اور اس کی جرات و شجاعت نہیں بلکہ خود مسلمانوں ہی کی غداری ، عاقبت نا اندیشی ، جعلسازی اور عیاری و مکاری رہی ہے۔۔حب جاہ اور حب مال کی وجہ سے اچھے اچھے عقلمند اور زیرک انسان راہ جنون کے مسافر بن جاتے ہیں اورایسے کریہ و قبیح کارنامے انجام دیتے ہیں کہ انسانیت اور غیرت تک شرمسار ہو جاتی ہے ۔۔اپنی نادانی ، بے وقوفی یا ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کی بنا پر وہ شیطان کے آلہ کار بن جاتے ہیں اور اسلام و مرکز اسلام کو نقصان پہونچانے کی خاطر ہر حد سے گزر جاتے ہیں۔۔خود غرضی ، مطلب پرستی اور انتقام کاجذبہ بھی اسی بستر ہوس سے انگڑائیاں لیتا ہوا کھڑا ہوتا ہے اور جب یہ جذبہ مکمل طور پر جوان ہو جاتا ہے تو پھر انسان اچھائی و برائی ، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا فرق بھلا بیٹھتا ہے۔۔پھر نفسانیت اور شیطانیت اسے اپنے قابو میں کر لیتی ہے۔۔وہ اپنا مقام و مرتبہ اور اپنی نسبت تک کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔۔سلطان صلاح الدین ایوبی اورسلطان ٹیپو شہید رحمھما اللہ کے دور کا تذکرہ اگر میر صادق و میر جعفر کے بغیر کردیا جائے تو غداری کی داستان مکمل نہیں ہوسکتی۔۔ایسا نہیں ہے کہ غداری و منافقت کی کوئی خاص وضع یا لباس ہو بلکہ نفاق کے چہرے کبھی لعنت زدہ منحوس شکل کی صورت میں بھی نظر آتے ہیں تو کبھی جبہ و دستار بھی منافقوں کی امامت

کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔چند جاہلوں کے آلہ کار بن کر وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ میں شیخ الاسلام اور مفکر قوم بن گیا۔۔حالانکہ ان کی یہ خام خیالی بہت جلد انہیں قعر و مذلت کے اس دہانے پر پہونچا دیتی ہے ۔۔جہاں جوتوں سے ان کا استقبال کیا جاتا ہے۔۔

مذہب اسلام بہت ہی سادہ اور پاک و صاف مذہب ہے ۔۔مکر و فریب ، دجل و سازش ، عیاری و مکاری اور چالبازی و جعلسازی کی اس مذہب میں کوئی گنجائش نہیں۔۔مسلمانوں کے درمیان کسی وجہ سے کوئی نزاعی صورتحال پیش ا جائے تو قرآن حکیم نے اس موقع پر باہمی افہام و تفہیم اور صلح و آشتی کی راہ دکھائی ہے ۔۔۔ انتقامی کاروائی اور معاندانہ جذبہ کی اسلام کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ اسے غیر شرعی اور غیر اخلاقی عمل قرار دیتا ہے۔۔

بحیثیت مسلمان ہمارا مقصد معاشرہ میں امن و سکون کی بالادستی ، عدل و انصاف کو یقینی بنانا اور باہمی رواداری و خیر خواہی کو قائم کرنا ہے۔۔ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہوا کرتا ہے۔۔مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔اسکی عزت و ابرو محفوظ رہے اور وہ اپنے مسلمان بھائی کو کبھی تنہا اور اکیلا نہ چھوڑے۔۔۔

قران کی یہ بھی تعلیم ہے کہ اگر مسلمانوں میں باہمی نزاع و اختلاف کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اسے قرآن و سنت کی روشنی میں اور علماء و اہل اللہ کی نگرانی میں حل کیا جائے۔۔تاکہ سنجیدہ اور علمی ماحول میں درست اور برحق موقف تک پہونچا جا سکے۔۔نہ یہ کہ معاملہ کو اچھالا جائے۔۔فریق مقابل کو مطعون کرنے کی بھرپور

مذموم اور ناپاک سازش کی جائے۔۔سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا کا سہارا لے کر سامنے والے کی عزت و آبرو کو سر عام داغدار کیا جائے۔اپنے ذاتی انتقامی جذبہ کی تسکین کے لئے خوارج کی جماعت تشکیل دی جائے ، انہیں بد زبانی اور سخت کلامی پر آمادہ کیا جائے اور ان کے ذریعے سماج کے مقتدر اور مؤقر افراد کی توہین و تذلیل کی جائے۔۔۔مسائل کے حل کے لئے جاہلوں کی عدالت بنا لی جائے اور چند بے غیرت اور کم فہم ، حکمت و دانش سے مبرا اور سنجیدگی و متانت سے بے بہرہ افراد کو جج اور وکیل کی مسندیں سونپ دی جائیں۔۔

دوستو!!!! راقم عرض کرتا ہے کہ کوئی بھی اختلافی معاملہ اگر بند کمرے میں حل ہو سکتا ہو اور اس کی تشہیر لوگوں کے اندر بدگمانی اور شبہات پیدا کر دے تو اسے مجمع عام میں لانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟؟؟

مسائل اگر قران و حدیث کی روشنی میں حل کرنا ہو تو اسکی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟؟ علماء پر یا ان لوگوں پر جن کے قلوب علوم نبویہ سے بے بہرہ ہیں؟؟ خواص کے آپسی اختلافات کو عوام کی عدالت میں پیش کر کے اپنے انتقامی جذبہ کو تسکین پہونچانا کہاں کی دانشمندی ہے؟؟

سوچتا کیوں ہے سبھی رشتے الگ کر کے مجھے۔
کیا میری رسوائیوں میں تیری رسوائی نہیں؟؟؟

موجودہ خطرناک حالات میں جبکہ مدارس ومساجد کی حفاظت اورعلوم نبوی کی اشاعت مسلمانوں کے لئے مشکل سے مشکل تر ہوتی جا رہی ہے۔ باطل کو مساجد سے گونجنے والی اذانوں اور مدارس میں پڑھنے والے مستقبل کے اماموں و قائدوں سے تکلیف ہی

نہیں بلکہ خدا واسطہ کی دشمنی اور بیر ہے۔۔ان کے ترکش میں الزامات کے نام پر دہشت گردی ، فرقہ پرستی اور اسلامی تشدد جیسے نہ جانے کتنے زہریلے تیر موجود ہیں جنہیں موقع موقع پر وہ استعمال کرتے رہتے ہیں ۔۔ایسے موقع پر ہمیں اپنے اسلامی روایات و اقدار کے تحفظات کے بجائے خود ہی ان کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی جسارت کیسے ہو سکتی ہے ؟؟؟

صاحبو !!!! غور تو کیجئے کہ کتنی تکلیف کی بات اور افسوس کا مقام ہے شب دیجور کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جبکہ بڑے اور چھوٹے اسلامی قلعے مدارس کی شکل میں اپنے وجود کی حفاظت اور بقا کے لئے جد و جہد میں مشغول ہیں ۔۔ ان میں عہدہ اور منصب کی لالچ میں پڑ کر سازشوں کا گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور طوفان بدتمیزی مچائی جا رہی ہے۔۔دو سال کے اس وبائی دور میں جبکہ مالی فراہمی نہ ہونے کی وجہ سے مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ معاشی طور پر تباہی کے دہانے پر جا کھڑے ہوئے ہیں ۔۔کوئی ان کا پرسان حال نہیں ۔۔وہ شب و روز اپنے خانگی مسائل سے جوجھ رہے ہیں ۔۔فاقہ کشی اور بدحالی سے تنگ آکر اپنی راہیں تبدیل کرنے پر مجبور ہیں۔۔۔لیکن بعض لوگ ان کی اشک سوئی کے بجائے ان کی دلآزاری میں مصروف ہیں۔۔ مدارس و مساجد میں زمین وقف کرنے والوں کی روز مرہ کی دخل اندازی ، مساجد کے اماموں پر متولی صاحبان اور کمیٹی کے صدور و سکریٹری صاحبان کے مسلسل ظلم کی داستان کوئی نئی بات نہیں۔۔

واقف یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ مسجد اور مدرسے میرے باپ دادا کی زمین پر قائم ہیں۔ اسلئے یہ میری ملکیت ہیں ۔۔اسی لئے جب میں چاہوں امام کو ذلیل کرکے نکال دوں

یا مدرسہ کے ذمہ دار اور اساتذہ کو معزول کر دوں ۔۔ ہمارا یہ اختیار موروثی ہے۔۔
انکے اس اقدام میں چند فتنین ، مطلب پرست اور ابن الوقت مولویوں کا بھی ان کو ساتھ مل جاتا ہے جس بنا پر انہیں اپنی من مرضی کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔
حالانکہ ان بد عقلوں اور بد طینتوں کو وقف کے سلسلہ میں شریعت کے احکام سے واقفیت حاصل کر لینی چاہئے۔۔اور انہیں جان لینا چاہیے کہ وقف شدہ زمین واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔۔۔وقف شدہ جائداد سے واقف کی اولاد کا کوئی تعلق نہیں رہتا ۔۔لیکن کتنی بڑی جہالت ہے کہ واقف ہر وقت مدارس و مساجد میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے متفکر رہتا ہے؟؟وہ پوری زندگی وقف شدہ ملکیت کو اپنے باپ دادا کی میراث تصور کر کے منمانی اور داداگیری کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔۔اس کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ کا صدر اور سکریٹری رہے ۔۔مدرسوں کے ذمہ داران اور اساتذہ چندہ کر کے اس کے ہاتھ پر موٹی موٹی رقم لا کر رکھیں۔اساتذہ و ملازمین ان کی غلامی قبول کریں اور ان کے ہر ہر حکم پر سر تسلیم خم کریں ۔۔مدرسہ میں اگر صدقہ یا نذر کا کوئی بکرا آئے تو اس میں بھی صدر و سکریٹری صاحب کا حصہ ہو۔۔مدرسہ کے ذمہ دار ہر وقت ان کی چاپلوسی میں مصروف رہا کریں ۔۔۔

وہ ذمہ دار اور اساتذہ جو اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو نچوڑ کر اور اپنا خون پسینہ بہا کر شجر علمی کی آبیاری کرتے ہیں۔۔اپنی خودداری اور انا کو قربان کر کے لوگوں کی ہفوات و بکواس سنکر ایک ایک روپۓ کا چندہ کرتے ہیں۔طلباء کی تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے کوشاں و سرگرداں رہتے ہیں ۔۔ان کی معمولی غلطی اور چوک کا

سہارا لے کر ان کی ساری کار کردگی اور قربانی فراموش کر دی جاتی ہے۔۔ان کو بدنام کرنے کی اور ان کی شخصیت کو داغدار کرنے کی ناپاک حرکت ہوتی ہے۔۔
راقم کا ماضی قریب میں علاقے کے چند ذمہ داران مدارس کے ساتھ وفد کی شکل میں ایک مدرسہ میں وہاں کے داخلی انتشار کے سنجیدہ حل کی کوششوں کے مقصد سے جانا ہوا۔اپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ چند مفاد پرست اور شر پسند لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ علماء کا وفد کسی طرح اس گاؤں میں نہ پہنچ سکے ۔۔ لیکن جب ہم لوگ ان کی باتوں کو خاطر میں نہ لا کر وہاں پہونچے تو مدرسہ کے لئے زمین وقف کرنے والوں کی شر پسندی اور بدتمیزی نے حیرت میں ڈال دیا۔۔ انہیں خوش ہونا چاہیئے کہ مدرسہ کا معاملہ علماء کی نگرانی میں حل ہو جائے گا ۔۔ لیکن انہیں مسئلہ کا حل ہی کب چاہیئے تھا ؟؟ انہیں تو اپنے ذاتی مفاد سے غرض تھی اور وہ جانتے تھے کہ علماء کی موجودگی میں اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل وہ نہیں کر سکتے تھے۔۔
اختلاف کی وجہ بہت معمولی تھی۔۔مدرسہ کے متہم نے زمین وقف کرنے والوں کو اعتماد میں لئے بغیر مدرسہ کا رجسٹریشن کرا لیا تھا۔حالانکہ یہ ان کی چوک تھی۔۔ انہیں یہ کام مشورہ سے کرنا چاہیئے تھا۔جس کا انہیں احساس بھی تھا اور وہ رجسٹریشن کینسل کرانے کے لئے بھی تیار تھے۔۔ہم لوگوں کی حاضری وہاں صرف اس غرض سے ہوئی تھی کہ مدرسہ کا معاملہ تھا جس کا طول پکڑنا مدرسہ کے لئے نقصاندہ تھا مدرسہ کی حفاظت ہر حال میں ضروری تھی۔۔افہام و تفہیم کے ذریعے مصالحت کی راہ نکالنا ہی وقت کا تقاضہ تھا۔لیکن چونکہ واقفین پر وقف کا نشہ سوار تھا اور چند

فتنہ پرست اور شاطر لوگ ان کی پشت پناہی کر رہے تھے جس بنا پر وہ لوگ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔۔ان کی بے غیرتی اور جسارت کی انتہا تو تب ہو گئی جب انہوں نے مدرسہ کے دفتر میں تالا لگا دیا اور مہتمم کو معزول کر دیا۔۔

مدرسہ کی مسجد میں ہملوگ بیٹھے رہے ۔۔ایک صاحب جو کسی سرکاری مدرسہ کے ذمہ دار تھے اور ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے مدرسہ میں جو کمیٹی تشکیل دی ہے اس میں ان کی بیوی ، بیٹی ، بیٹا سے لے کر پورے خاندان کا نام ہے ۔۔حیرت ہوئی کہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مہتمم مدرسہ کے ذریعے کئے گئے رجسٹریشن کی مخالفت کر رہے تھے۔۔

اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ مدارس میں قلیل۔تنخواہ پر گزر بسر کرنے والے ذمہ دار و اساتذہ کو ضمیر کے کٹھرے میں کھڑا کرنے والے اور انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والے سرکاری مدرسہ کے بعض وہ بے ضمیر مدرس ہیں جو بغیر پڑھائے لکھائے صرف دن بھر کرسیاں توڑتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ چالیس پچاس ہزار روپئے کی تنخواہ کو اپنے لئے حلال سمجھ لیتے ہیں۔۔اسکے علاوہ کبھی حکومت کی جانب سے ملنے والی طلباء کے لئے مراعات میں خرد برد کا معاملہ تو بالکل عام ہے۔۔۔ایسا نہیں کہ انہیں حرام و حلال کا پتہ نہیں۔

معلوم نہیں ایسے لوگوں کو شرم کیوں نہیں آتی؟ مجھے یہ کہنے میں ہرگز تامل نہیں کہ اگر کسی بھی نظامیہ مدرسہ کا ذمہ دار ، مدرسہ کی مالیات یا دیگر شعبوں میں خرد برد کرے،خیانت سے کام لے ، منمانی کرے تو اس کا سخت سے سخت محاسبہ ہونا چاہئے اور قرار واقعی سزا ملنا چاہیئے۔ مدرسے قوم کی امانت ہیں کسی کے باپ کی جاگیر نہیں۔

لیکن محاسبہ اور اصلاح کرنے کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔۔حدیث نبوی میں تلقین کی گئی ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ اس کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔۔لاٹھی ڈنڈے کے ساتھ میٹنگ کرنا اور کسی عالم کو سر عام رسوا کرنا اصلاح نہیں بلکہ منافقت و عیاری ہے۔۔شاطرانہ ذہن کا غماز ہے۔۔ بغیر مشورہ رجسٹریشن کرا لینا کوئی سنگین جرم نہیں ہے۔۔اس میں اصلاح و ترمیم ممکن ہے جبکہ سامنے والا اسکے لئے تیار بھی ہے۔۔۔لیکن یہاں تو مطلب ذاتی رنجش کا انتقام لینے سے ہے۔۔یا پھر مدرسہ کی ترقی دیکھ کر اس پر قابض ہونے سے ہے۔۔۔تو پھر اصلاح کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا ہے۔۔۔۔

ایک آخری بات !!!!!! ہمیں دوسروں کے اصلاح سے قبل اپنا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے۔۔ہماری کمائی کی رقم ، ہماری تگ و دو ، ہمارے شب و روز کے معمولات ، ہمارے قلب و ذہن کی کیفیت ، ہمارے ہم مجلس و ہم نشیں ، ہماری نشست و برخاست اور ہماری عبادات و معاملات پر ہمیں نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔۔اسی طرح ہماری اصلاح کا رخ بھی درست ہونا چاہئے ۔۔ہماری اصلاح اخلاص کے ساتھ کسی بھی انتقامی جذبہ سے خالی ہونا چاہئے ۔۔۔ایسا نہ ہو کہ ہم سر سے پاؤں تک گندگی میں ڈوبے ہوئے ہوں اور اسے صاف کرنے کے بجائے ہماری نگاہ دوسرے کے پاؤں مین لگی ہوئی گندگی پر ہو۔۔۔

شمس پرویز مظاہری

مہتمم مدرسہ نظامیہ دار القران دگھی وایا مہگاواں گڈا

گورکھپور کا یادگار سفر

بقلم :- مولانا محمد اکرم خان قاسمی جونپوری
امام و خطیب مسجد عمر بن خطاب شاہ گنج

ہمارے دیرینہ دوست اوردار العلوم دیوبندکے رفیق درس محترم مفتی سید سعداللہ صاحب کی رہائش گورکھپور شہر میں ہے ان کے یہاں جانے کی تمنا عرصے سے تھی یک بیک ۱۲ جون ۲۰۲۱ یکشنبہ کو
گورکھپورجانے کا پلان بن گیا سنیچر کی دوپہر تقریباً ایک بجے ہم اورعزیزم قندیل الرحمٰن خان سلمہ بذریعہ کار شاہ گنج سے موضع جھکھاں پہنچے مولانا خالد صاحب ترجمان پاسبان علم و ادب بھی یہیں آگئے ترجمان صاحب کا ساتھ رہنا ہم باعث سعادت سمجھے ہیں ان کے ساتھ سفر خوشگوار اور پرلطف رہتا ہے۔ قندیل الرحمٰن کے خالہ زاد بھائی حافظ زید و حافظ جنید بھی شریک سفر تھے
چھکھاں سے تقریباً ڈھائی بجے ہمارا پانچ نفری قافلہ گوکھپور کیلئے روانہ ہوا گورکھپورجانے کےکئی راستے ہیں لیکن سب راستےنہایت خراب ہیں ہم نےبذریعہ ماہل اترولیا ہوتے ہوئے جانے کا فیصلہ کیا یہ راستہ بھی بہت خراب جگہ جگہ ٹوٹا ہوا ہے۔ راستے میں برِہا گھاٹ گھاگھرا ندی پر بنے پل پر کچھ دیر رکے موسم بہت خوشگوار تھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی باد صبا کے جھونکے دلوں میں فرحت و انبساط پیدا کررہے تھے۔ تاحد نظر پانی ہی پانی نظر آرہا تھا اس لائق دید منظر کو کیمرے میں قید کیا گیا اور ہم منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ دور جانے کے بعد دیکھا کہ سڑک کے کنارے بیس پچیس لوگ آگ پر بھٹے بھون کر بیچ رہے تھے وہاں رک کر گرما گرم بھٹے کھاکر پھر

قافلہ آگے بڑھا عصر کے وقت ہم خلیل آباد پہنچے لب سڑک عالیشان مسجد میں نماز عصر پڑھ کر چائے کی تلاش ہوئی خلیل آباد ضلع سنت کبیر نگر کا ہیڈکوارٹر ہے بہت بڑا اور خوبصورت شہر ہے مسلم اکثریتی علاقہ ہے ۔ لیکن

لاک ڈاؤن کی وجہ سے بالکل ویران لگ رہا تھا اکادکا لوگ چل پھر رہے تھے چائے کا کوئی ہوٹل نظر نہیں آیا چائے سے مایوس ہوکر کر ہم لوگ پھر چل پڑے گورکھپور لکھنؤ فور لین ہائے وے پر ایک جگہ ایک ہوٹل مرادآبادی بریانی لکھا ہوا نظر آیا اس سے پوچھا کہ چائے ملے گی اس کے جواب کہ ہا ملے گی پر سب کے چہرے کھل اٹھے ترجمان صاحب کی عنایتوں سے

چکن فرائی اور چائے سے فراغت کے بعد طبیعت کا بوجھل پن دور ہوا اور پھر سفر شروع ہوا گورکھپور میں داخل ہوکر مفتی صاحب سے بتایا گیا کہ شہر میں داخل ہوچکے ہیں تو مفتی صاحب بنفس نفیس موٹر سائیکل سے تشریف لے آئے اور ہم لوگ مفتی صاحب کی رہنمائی میں محلہ قاضی پور خرد مفتی صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے چند منٹ میں ہماری گاڑی ایک بہت گیٹ میں داخل ہوئی یہی مفتی صاحب کی رہائش گاہ ہے ہم لوگ مفتی صاحب کی معیت میں قدیم طرز کی بنی ہوئی حویلی میں بنے ہوئے ایک ہال میں پہنچے اس وقت ساڑھے سات بج رہے تھے نماز مغرب ہوچکی تھی اس لئے کچھ دیر بعد ہم لوگ اسی کیمپس میں بنی مسجد میں نماز مغرب پڑھنے کیلئے چلے گئے۔۔۔

مسجد اسماعیل : سوسال سے زیادہ قدیم ہے لیکن رکھ رکھاؤ اور توجہ کی وجہ سے چمک رہی ہے یک بیک ذہن ماضی کے دریچوں میں کھو گیا نہ جانے کتنے اللہ والے اکابرین علماء صلحاء حفاظ اس مسجد کے فرش پر سربسجود ہوئے ہوں گے راز ونیاز میں مشغول ہوکر اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کی ہوگی۔وضو خانہ صاف ستھرا ہرطرح کی سہولیات

سے مزین تھا ۔ ایک طرف سلیقے سے انورٹر اور بیٹری رکھی ہوئی تھی مسجد کے صحن کے ایک کنارے پر تین قبریں بنی ہوئی ہیں جو بزرگان دین کی لگ رہی تھیں ۔
مسجد کے اندرونی حصے میں دبیز قالین پر صاف و شفاف سفید و سبز رنگ کی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔
چادریں گندی ہونے پر آسانی سے دھلی جاسکتی ہیں ۔ لیکن قالین کو بار بار دھلنا بہت مشکل کا ہے ۔ عام طور پر دیکھا گیا کہ مسجدوں میں قالین بچھا دیتے ہیں جب تک قالین پرانا ہوکر پھٹ نہیں جاتا بغیر دھلے نماز پڑھتے رہتے ہیں دھونے کی توفیق کسی کو نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے بہت کراہیت ہوتی ہے۔ غور کیجئے جن کے دین و مذہب میں صفائی نصف ایمان ہے اس قوم کا یہ حال ہے اس پر توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔ نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگوں کو مفتی صاحب ایک دوسرے ہال میں لیکر آئے جہاں بڑے بڑے کئی تخت سلیقے و ترتیب سے
بچھے ہوئے تھے ہم لوگ اسی پر بیٹھ گئے ہال کی دیواریں تقریباً تین چار فٹ موٹی ہیں چھت بھی موٹا بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے ہال ہر موسم میں معتدل رہتا ہے ۔ کچھ دیر بعد دستر خوان پر چائے وغیرہ آگئی۔ جس سےلطف اندوز ہونے کے بعد مفتی صاحب کی علمی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا مفتی صاحب کی یہ خاصیت ہے کہ ہر فن پر عبور رکھتے ہیں۔ پہلے توہم نے پوچھا کہ ہم سناہے کہ مصلح الامت حضرت مولاناشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب فتح پور تال نرجا سے ہجرت کی تو سب سے پہلے گورکھپور آئے تھے اس کی تفصیل بتائیں
مفتی صاحب صاحب نے بتایا کہ ہمارے نانا میاں مولوی امجد اللہ صاحب رحمہ اللہ شاہ صاحب سے بیعت تھےاور بغرض خدمت؛ ملاقات واصلاح کیلئے فتح پور جاتے رہتے تھے

شاہ صاحب کے یہاں اور بھی متوسلین مریدین آتے اور قیام کرتے تھے۔ پورا علاقہ بدعت سے پٹا تھا۔

جب شاہ صاحب نے اصلاحی کام شروع کیا تو بدعتیوں کو کافی پریشانی ہوئی؛ بدعتی آمادۂ جنگ ہوگئے ایک روز ایسا ہوا کہ شاہ صاحب مسجد میں تھے اہل بدعت آکر شاہ صاحب کے مریدین سے جھگڑنے لگے شور سن کر شاہ صاحب مسجد سے باہر نکلے تو یہ ماجرا دیکھ کر بہت کبیدہ خاطر ہوئے۔ اتفاق سے مفتی صاحب کے نانا میاں بھی شاہ صاحب کی خانقاہ میں موجود تھے شاہ صاحب نے نانا میاں سے کہا کہ اب یہاں کام کرنا مشکل ہے۔ شاہ صاحب نانا میاں کے ساتھ گورکھپور آگئے اور انھیں کے مکان میں چھ مہینے تک شاہ صاحب کا قیام رہا

پھر چھ مہینے تک شاہ صاحب رح حکیم وصی احمد صاحب مرحوم کے گھر پر رہے جو شہر گورکھپور کے معزز لوگوں میں سے تھے اور پاس ہی میں ان کی بھی رہائش اور مطب تھا ۔ اب مطب حکیم وصی احمد صاحب مرحوم کے بڑے صاحب زادے بیٹھتے ہیں ان کے صاحبزدگان میں سے ایک مولانا عبیداللہ قاسمی ہیں جو ترجمان صاحب کے بے تکلف دوست اور درسی ساتھیوں میں سے ہیں آج کل وہی *دارالعلوم گورکھپور* کے ذمہ دار ہیں سوئے اتفاق ہم لوگ ان کی زیارت سے محروم رہے ہم لوگ جس روز گورکھپور پہونچے اسی دن وہ صبح میں الہ آباد چلے گئے تھے حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے داماد ہیں

بہرحال شاہ صاحب نے چھ ماہ حکیم صاحب کے یہاں بھی قیام کیا اس کے بعد آلہٰ آباد چلے گئے ۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی رحمہ اللہ کی بھی اپنی زندگی میں کئ بار یہاں

آمد ہوئی تھی ۔ وقت تھمتا نہیں

باتوں کے دوران عشاء کا وقت ہوگیا مفتی صاحب نے کہا چلئے نماز عشا شاہی جامع مسجد میں پڑھی جائے ۔ محلوں اور گلیوں سے گزرتے ہوئے ہم لوگ اردو بازار میں واقع حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمہ کے فرزند معظم شاہ کی بنوائی ہوئی عالیشان بلند و بالا مسجد میں پہنچ گئے مسجد سادگی کا نمونہ ہے۔ لیکن پرکشش ہے۔ اور عظمت شاہی کی زندہ مثال ہے ۔ مفتی صاحب کے ماموں اس مسجد کے سکریٹری ہیں ۔ مفتی سعد اللہ صاحب مسجد کی شوریٰ (کمیٹی) کے ممبر ہیں..

نماز کے بعد بعض نمازیوں اور نائب امام سے ملاقات و سلام و مصافحہ ہوا۔ شاہی امام صاحب تشریف نہیں لائے تھے اس لئے ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

اسکے بعد ہم لوگ گھر آگئے بازار میں اتنا سناٹا تھا کہ لگتا تھا آدھی رات گزر چکی ہے آتے ہی دسترخوان لگ گیا طرح طرح کے انواع و اقسام کے کھانے نفاست سے دسترخوان پر چنے گئے تھے۔کھانا بے انتہا لذیذ تھا ۔ یہ میزبان کا خلوص تھا کہ ہر ڈش ذائقہ دار تھی دسترخوان پر خوبصورت و خوش ذائقہ آم بھی موجود تھا آم دیکھ کر بڑے والد مولانا جمیل احمد صاحب جونپوری علیہ الرحمۃ ایک یاد آیا گیا

خانقاہِ حسین احمد میں .... مئے وحدت کے جام چلتے ہی

اور رندوں کی بزم میں عثمان بعد کھانے کے آم چلتے ہیں

کھانے کے بعد پھر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو کب بارہ بج گیا کچھ پتہ ہی نہیں چل سکا مفتی صاحب علمی و فکری موتی لٹاتے رہے اور سبھی لوگ ہمہ تن گوش ہوکر مستفید ہوتے رہے...بس یہی دل کی خواہش تھی کہ رات یہیں ٹھر جائے

وہ کہا کریں اور ہم سنا کریں

رات زیادہ گزر چکی تھی اس لئے سوچا گیا کہ اب آرام کیا جائے
مسجد اسماعیل میں فجر کی نماز کا وقت ۴/۳۵ پر تھا میں پانچ منٹ پہلے مسجد میں پہنچا تو مسجد میں کم از کم بیس لوگ موجود تھے
کچھ لوگ سنتیں پڑھ رہے تھے اور کچھ حضرات تلاوت میں مشغول تھے۔ وقت مقررہ پر امام صاحب مصلےپرآئے اور نماز شروع ہوئی امام صاحب مفتی صاحب کے گھر میں موجود وقف شدہ مدرسے کے مدرس ہیں مدرسہ بھی تقریباً سو سال قدیم ہے شاہی جامع مسجد کے زیر نگرانی چلتا ہے۔گورکھپور کی شاہی جامع مسجد کے تعلق سے ایک بات رہ گئی تھی وہ یہ کہ اس مسجد کے امام کو انگریزوں کے دور سے ہی یہ پروٹوکول دیا گیا ہے کہ کوئی ڈی ایم ۔ ایس ڈی ایم شاہی مسجد کے امام کو اپنے یہاں نہیں بلا سکتا امام سے کوئی ضرورت ہوگی تو ڈی ایم ۔ ایس ڈی ایم کو خود امام کے پاس چل کر آنا ہوگا۔۔۔
اس مدرسہ پر ڈیڑھ سو گاؤں وقف ہیں لیکن حکومت کی کرم فرمائیوں سے تمام زمینیں ضائع ہوچکی ہیں۔ امام صاحب کا تلفظ اور ادائیگی بہترین ہے لیکن تلاوت خمار بارہ بنکوی کے لہجے میں کرتے ہیں۔ نماز کے بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہوئے پھر آٹھ بجے ناشتہ سے فراغت ہوئی ناشتہ بھی خوش ذائقہ اور لذیذ تھا۔
مفتی صاحب آبائی طور پر عظمت گڑھ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں گورکھپور اپنے نانہال میں قیام پزیر ہیں والدہ صاحبہ کا انتقال ہوچکا ہے۔ والد محترم نہایت نیک خصلت بزرگ ہیں میں سمجھتا ہوں ان کا شمار ایسے اہل اللہ میں ہے جنھیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد آ جائے
ماشاءاللہ باحیات ہیں علالت کی وجہ سے صاحب فراش ہیں اللہ انھیں صحت و عافیت عطا فرمائے۔مفتی صاحب کے ماموں جوشاہی مسجدکے سکریٹری بھی ہیں ولی صفت بزرگ ہیں۔

اللہ ان دونوں بزرگوں کا سایۂ عاطفت دارز کرے ۔
مفتی صاحب کی تحریریں تو جاندار شاندار ہوتی ہی ہیں مگر
باتیں اور بھی دل پزیر و دلنشین ہوتی ہیں۔ حافظہ ماشاءاللہ مثالی ہے۔ ہر واقعہ پوری تاریخ کے ساتھ زبان زد ہے۔ انھیں لکھنے میں کچھ وقت لگتا ہے لیکن جب بولتے ہیں بغیر رکے بولتے رہتے ہیں
بولنے میں انگریزی الفاظ بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ مولانا خالد صاحب نے پوچھا آپ تو ہردوئی کے پروردہ ہیں پر آپ کی انگلش بھی بہت اچھی ہے ایسا کیوں کر ہوا کہنے لگے جب میں عظمت گڑھ سے گورکھپور رہنے کیلیئے آیا تو خالص اردو میں بات کرتاتھا میرے ناںہالی لوگ انگریزی پڑھے ہوئے تھے مسئلہ یہ ہوا کہ نہ میں انکی باتیں پوری طرح سمجھتا اور نہ وہ لوگ میری

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

والا معاملہ ہوگیا۔ لہذا مجھے انگلش زبان بھی سیکھنی پڑی۔ مفتی صاحب کا پورا گھرانہ ماشاءاللہ عصری تعلیم سے آراستہ ہے مگر وضع قطع شکل و شبہات میں عالمانہ شان نمایاں ہے یہ سب ان کے یہاں اکابرین و بزرگوں کی آمد و رفت اور صحبت و تعلق کا نتیجہ ہے
مفتی صاحب کے چار بیٹے ہیں چاروں حافظ قرآن ہیں؛ ایک قاسمی دار العلوم دیوبند کے فارغ ہیں ایک مظاہر علوم میں زیر تعلیم ہیں ایک علی گڑگڑھ مسلم یونیورسٹی سے .
M. B. B. S کررہے ہیں ایک انجینئرنگ کررہے ہیں۔
سبھی دینی مدرسہ کے تعلیم یافتہ نظر آتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہیں اللہ انھیں والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔

مفتی صاحب کا گھر گھر نہیں بلکہ ایک خانقاہ ہے میں تو سمجھتا ہوں جسے اصلاح نفس کی ضرورت ہو اسے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حب رسول و خدا کیلئے مفتی کے یہاں کچھ دین قیام کرے انشاءاللہ طبیعت میں انبساط ہوگا اور رجوع الی اللہ کی توفیق مل جائے گی مفتی صاحب کے پورے گھر پر عجیب قسم کی رونق ہے اور روحانیت برستی رہتی ہے

مفتی صاحب کی زمینیں باغات وغیرہ گورکھپور سے چالیس کیلومیٹر دور *سونولی* انڈیا نیپال باڈر سے ساٹھ کیلومیٹر پہلے کمپیئر گنج قصبہ میں واقع ہے ۔ فارم کھیت کو ہیں ہاؤس رہائشی گھر کو کہتے ہیں اگر صرف کھیت ہو تو فارم اور گھر بھی ہو تو فارم ہاؤس کہتے ہیں یہ *فارم ہاؤس* بہت بڑے زمینی رقبے پر پھیلا ہوا ہے ۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ ان کے نانا میاں مرحوم نے اس فارم پر تین منزلہ مکان بنوایا تھا اور نانی مرحومہ(نؔنا) اور بچوں لیکر فارم ہاؤس پر آکر رہنے لگے لیکن اسی دوران حادثہ یہ ہوا کہ ان کی خالہ جو دس بارہ سال کی تھیں انھیں رات میں سانپ نے ڈس لیا جس کی وجہ سے وہ جانبر نہ ہوسکیں اور انکا انتقال ہوگیا

اس حادثہ سے نؔنا کو بہت صدمہ ہوا جس کی وجہ سے ننا پھر فارم ہاؤس پر رہائش کیلئے تیار نہیں ہوئیں۔ زمانے تک فارم ہاؤس والا مکان خالی پڑا رہا ہے اس کے بعد مفتی حمزہ صاحب کی والدہ نے فارم ہاؤس کو آباد کیا

۔نانا میاں کے انتقال کے بعد ایک روز حضرت ہردوئی رحمہ اللہ گورکھپور تشریف لائے تو مفتی صاحب کے والد نے حضرت ہردوئی سے درخواست کی ہمارے فارم ہاؤس پر تشریف لے چلیں حضرت ہردوئی نے فرمایا کہ وہاں کیوں جائیں وہاں تو مسجد بھی نہیں ہے۔ یہ بات مفتی صاحب کے والد کے دل پر لگی مفتی صاحب کے والد صاحب نے

فوری فارم ہاؤس پر ایک خوبصورت سی مسجد تعمیر کرائی یہی مسجد فارم ہاؤس کی آبادی کا ذریعہ بن گئی مفتی صاحب کے خالہ زاد بھائی مفتی حمزہ صاحب ایک متبحر عالم دین مدرسہ ریاض العلوم گوريني کے سند یافتہ ہیں مفتی حمزہ صاحب نے حضرت ہردوئی کی ایماں پر کمپیر گنج کی ایک مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں عربی سوم تک تعلیم کا انتظام تھا اس مدرسہ میں مفتی سعد اللہ صاحب بھی عرصہ تک تدریس سے منسلک رہے بعد ازاں بعض مجبوریوں کی وجہ سے دونوں حضرات وہاں سے ہٹ گئے اب اس مدرسہ میں حفظ تک کی تعلیم ہورہی ہے اور مفتی حمزہ صاحب کے بھائی کی نظامت میں چل رہا ہے۔

مفتی حمزہ صاحب نے دوسرا مدرسہ اپنے مکان کے نچلے حصے میں قائم کردیا ہے جس میں فارسی سے لیکر عربی دوم تک تعلیم دی جاتی ہے تقریباً چالیس طلبہ وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں لاک ڈاؤن کی وجہ سے فی الحال تعلیمی سلسلہ موقوف ہے.

مفتی حمزہ صاحب کی رہائش مکان کے بالائی منزل پر ہے..

ان کے تمام بھائی وہیں پر اپنے اپنے الگ الگ مکان میں قیام پذیر ہیں۔۔۔۔

ناشتہ کے بعد طے ہوا کہ کمپیئر گنج چل کر مفتی حمزہ صاحب مدظلہ سے ملاقات کرلی جائے اور العین فارم ہاؤس بھی گھوم لیا جائے کمپیئر گنج سے خلیل آباد قریب ہے اس لئے سوچا گیا کہ وہیں سے گھر روانہ ہو جائیں گے۔ مفتی صاحب نے ہدیتاً سبھی رفقاء کیلئے ایک ایک پیٹی آم گاڑی کی ڈگی میں رکھوا دیا تھا اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور خوب برکت دے ۔ جب جانے کیلئے باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ ایک صاحب ترجمان صاحب کیلئے پان کی تلاش میں بازار گئے ہیں کافی دیر بعد پان آیا پان لانے والے نے بتایا کہ بازار بند ہونے کی وجہ سے تلاش بسیار کے بعد پان ملا۔

اسی وقت یہ شعر ذہن میں آیا جو زیب قرطاس ہے

یار میرے تو پان کھایا کر : لب کی سرخی ہمیں دکھایا کر

خیر پان آنے کے بعد ہم لوگ فارم ہاؤس کی طرف چلے ۔

گورکھپور شہر ابھی ڈیولپ نہیں ہے شروعات ہوچکی تعمیرات کی وجہ سے جگہ جگہ گڈھے ہیں سڑکیں کھدی ہوئیں ہیں

کہیں کہیں سڑکیں بن بھی چکی ہیں یوگی جی اسی شہر سے سات بار ایم پی رہ چکے ہیں اور تقریباً چار سال سے وزیر اعلیٰ بھی ہیں لیکن شہر کی ترقی کو نظرانداز کئے ہوئے ہیں۔ اور جو ڈیولپمنٹ ہو بھی رہا ہے وہ غیر معیاری لگ رہا ہے ہم گورکھ ناتھ مندر کے پاس سے گزرے مندر کے پاس بھی جگہ جگہ سڑکوں پر گندا پانی جمع تھا ۔ گورکھپور سے باہر نکلنے کے بعد سونولی تک جانے والا فور لین ہائی وے اچھا بنا ہوا ہے ساف ستھرا ہے ۔ صرف ایک جگہ پندرہ روپیہ کا ٹول ٹیکس لگتا ہے۔

ہم لوگ تقریباً ساڑھے دس بجے فارم ہاؤس مفتی حمزہ صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے بہت پر کشش جگہ ہے پرفضا مقام ہے طرح طرح کے پیڑ پودے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے دلکشی اوربڑھ گئی ہے ۔ مفتی حمزہ صاحب کے تمام بھائیوں نے بھی یہیں اپنا اپنا مکان بنا لیا ہے اور یہیں سکونت پزیر ہیں ۔

مفتی حمزہ صاحب کے مکان پر ان سے ملاقات ہوئی تقریباً تیس سال سے ان سے غائبانہ تعارف تھا لیکن پہلی بار بالمشافہ ملاقات تھی ان کی شخصیت بہت پر کشش ہے نفاست پسند اور بارعب ہیں مشہور علمی درسگاہ ریاض العلوم چوکیہ گورینی جونپور کے تعلیم یافتہ ہیں۔ مولانا اعجاز صاحب اعظمی ؛ مولانا افضال الحق صاحب جوہر گورکھپوری؛ مفتی حنیف صاحب جونپوری؛ کی صف شاد گرداں میں شامل ہیں ۔ ان کے اندر صلاحیت و صالحیت

بدرجہ اتم موجود ہے کم گو ہیں بات نپی تلی اور ٹھہر ٹھہر کرتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف ہیں فراغت کے بعد ریاض العلوم میں تدریسی خدمات سے منسلک ہوگئے تھے ان کا درس طلبہ میں بہت مقبول تھا اساتذہ میں بھی توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے لیکن جب مفتی حنیف صاحب علیہ الرحمۃ کا مدرسہ سے اختلافی سلسلہ شروع ہوا تو مفتی حنیف صاحب کے ساتھ مفتی حمزہ صاحب بھی ریاض العلوم سے مستعفی ہو گئے

جیسا کہ کل ذکر کیا جا چکا ہے کہ مفتی حمزہ صاحب نے اپنے مکان کے گراؤنڈ میں ایک مدرسہ قائم کردیا ہے جس میں عربی دوم تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ کمپیئر گنج میں ان کا ایک تین منزلہ" صوفی پلازہ" ہے جس کے گراؤنڈ اور فرسٹ فلور پر بہت سی دکانیں ہیں اور بالائی منزل پر ان کا "یونانی ہاسپٹل اینڈ ریسرچ سینٹر" قائم ہے ہاسپٹل میں عام امراض کے علاج کے علاوہ؛ فش تھراپی؛ جونک تھراپی؛ اسٹیم باتھ ؛ نطول؛ فصد حجامہ وغیرہ سے بھی علاج ہوتا ہے۔ ہاسپٹل میں تربیت یافتہ ماہر اطباء موجود ہیں ۔

کچھ دوری پر ایک دوسری زمین کے بڑے رقبے پر کولڈ اسٹوریج ہے جس میں آلو رکھا جاتا ہے اور برف کی سل بنتی ہے اسی جگہ ایک دودھ کی ڈیری بھی بنوا رہے ہیں اور آئس کریم فیکٹری کا بھی ارادہ ہے کام جاری ہے۔ اسی زمین کے ایک حصے میں بین الاقوامی معیار کا انڈر گراؤنڈ بیٹ منٹن اسٹیڈیم بھی بنوایا ہے جہاں رات میں بنفس نفیس مفتی حمزہ صاحب اور گھر کے اور لوگ بیٹ منٹن کھیلتے ہیں۔ سال بھر میں ایک بار ٹورنامنٹ بھی منعقد ہوتا ہے جس میں گورکھپور کے علاوہ اطراف کے ضلعوں سے ٹیمیں مقابلہ کیلئے آتی ہیں جس میں کامیاب ہونے والوں کو انعام سے نوازا جاتا ہے۔

مفتی حمزہ صاحب زمین کی پلاٹنگ کا کاروبار بھی کرتے ہیں اس وقت ان کا شمار شہر کے بڑے بزنس مینوں میں ہوتا ہے۔

مفتی حمزہ صاحب کے گھر چائے پر مختصر گفتگو کا سلسلہ رہا مفتی حمزہ صاحب نے کہا کہ دوپہر کا کھانا ساتھ میں کھایئے گا۔ یہیں پر ہمئی پور اعظم گڑھ کے مولانا حفظ الرحمان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی موصوف جمیعت العلماء سے منسلک ہیں اسی علاقے میں بس گئے ہیں ان کی سسرال بھی یہیں ہے بہت فعال شخص ہیں ۔ اس کے بعد ہم لوگ مفتی سعد اللہ صاحب اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ساتھ یونانی ہاسپٹل کولڈ اسٹوریج وغیرہ دیکھنے چلے گئے دو تین گھنٹے خوب تفریح رہی۔ ہماری واپسی ظہر کے وقت ہوئی نماز ظہر فارم ہاؤس کی مسجد میں ادا کی گئی جو مفتی حمزہ صاحب کے گھر سے متصل ہے۔ مسجد کا اندرونی حصہ نمازیوں سے بھرا ہوا تھا بڑوں کے ساتھ بچے بھی نماز میں شریک تھے سبھی لوگ ہردوئی والی ٹوپی زیب سر کئے ہوئے تھے۔ نماز کے بعدہم لوگ مفتی حمزہ صاحب کے گھر کے بالاخانے پر بنے ہوئے ہال میں پہنچے دسترخوان لگا ہوا تھا کھانا سادہ تھا کھانے میں پیاز سرکہ اچار ؛ چٹنی رائتہ، خالص گھی سبزی روٹی اور کھچڑی تھی ہر چیز بہت خوش ذائقہ تھی خوب سیر ہوکر کھایا اور برکت کی دعا دی۔ کھانے کے بعد گھر واپسی کا ارادہ ہوا چلتے وقت مفتی حمزہ صاحب نے ہمیں اور مولانا خالد صاحب کو چند کتابیں بطور ہدیہ پیش کیں جس کیلئے ہم ان کے مشکور ہیں ۔ دعا کی درخواست کے ساتھ دعا کرتے ہوئے رخصت ہوئے

تیرے گھر پہ رحمت برستی رہے　:　ہمیشہ یہاں حق پرستی رہے
نہ چل پائے کچھ زور شیطان کا　:　لگام اس کی ہر وقت کستی رہے

واپسی میں ترجمان صاحب کو کوٹلا چک پوسٹ پر اتارا اور زید و جنید کو پھولپور اتار کر تقریباً دس بجے شب شاہ گنج پہنچ گئے........... ختم شد

گاؤں کی باتیں : کچے گھر والوں کو بارش کی ہر بوند ڈراتی تھی

بقلم :- مولانا حمزہ فضل اصلاحی

ایک وقت ایسا بھی تھاجب گاؤں سے شہر آنے والے سب سے زیادہ اپنے کچے مکانوں کو یاد کرتے تھے ۔ اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ کچے مکان سال کے اکثر حصے میں سکون دیتے ہیں۔ سردی اور گرمی سے بچاتے ہیں، سردی میں گرم اور گرمی میں ٹھنڈے رہتے ہیں ۔کچی دیواریں موسم کا اثر قبول نہیں کرتی ہیں۔ صرف برسات میں ان سے دشواری ہوتی ہے۔کچے مکان مٹی ، لکڑی اور گھاس پھوس سے بنائے جاتے ہیں ۔ سوکھے تالاب کی مٹی سے دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں، یہ مٹی تالاب یا ندی سوکھنے کے بعد مئی کے مہینے میں نکالی جاتی ہے۔

آج کے پکے مکانوں کی طرح کچے گھروں کی بھی بہت سی قسمیں تھیں۔ خوشحال طبقہ اپنا گھر بنوانے کیلئےماہر کاریگروں کی مدد لیتا تھا۔ وہ سلیقے سے دیوار بناتے تھے ، اس زمانےکے اعتبار سے پلاسٹر ہوتا تھا ، ان پر نقش و نگار بنتے تھے ۔ انتہائی نفاست سے ان میں طاق بنائے جاتےتھے ۔ اس طرح کےگھر وں کے لکڑی کے دروازے بھاری بھرکم ہوتے تھے ، ان میں پیتل کی کنڈی لگی ہوتی تھی۔ بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں کچھ گھروں میں ایسےدروازے بھی لگائے گئےتھے جنہیں تیار کر نے میں مہینوں لگ گئے ۔ایسے گھروں کے دروازے کےسامنے اچھی خاصی جگہ چھوڑی جاتی تھی جہاں نیم، پاکڑیا کوئی بھی سایہ داردرخت ہوتا تھا جس کےنیچے دن بھر چارپائی بچھی رہتی تھی ۔ گاؤں میں اس طرح کے۵۔۴،گھر ہی ہوتے تھے ۔زیادہ تر کچے گھر سادہ ہوتے تھے ۔ یہ تالاب یا ندی کی چکنی مٹی ہی سے بنتے تھے ، انہیں گھر والے کسی کاریگر کی مدد سے

تیار کرتے تھے ۔ گرمی ، سردی میں اس طرح کے گھرو ں میں رہنے والے بے فکر رہتے تھے لیکن بر سات کی کچھ راتوں میں ان کی روح کانپ جاتی تھی ، یہ وہ راتیں ہوتی تھیں ، جب تباہ کن بار ش ہوتی تھی ۔ پہلی بار ش ہی میں کچے مکانوں کی دیواریں نم ہوجاتی تھیں، اُنکی سوندھی سوندھی خوشبو اطراف میں پھیل جاتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب کچے مکانوں کی بستی ہی کو گاؤں سمجھا جاتا تھا ۔ گاؤں میں کھپریل ہی کے مکان تھے ۔ جا بجا گھاس پھوس کی منڈئی ہوتی تھیں، ان میں محفلیں سجتی تھیں ، مویشی باندھے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں برسات سے پہلے گاؤں والوں کوسخت محنت کرنی پڑتی تھی ۔ مکان کی کچی دیواروں کو بارش سے بچانے کی پیشگی تیاری کی جاتی تھی ۔ عام طور سے مئی ہی کے مہینے می کھپریل کی مرمت کی جاتی تھی یا اسےنئے سرے سے بنایا جاتا تھا ۔اب بھی بچے کھچے کچےمکان کی کھپریل کی چھت اسی طریقے سے بنائی جاتی ہے۔ پوروا نچل کے دیہاتوں ہیں چھت کی مرمت کو' پھروٹی' جبکہ نئےسرے سے چھت بنانے کے عمل کو' کھول بندی ' کہتے ہیں۔پھر وٹی میں نیا کھپر ا لایا جاتا ہے،مٹی بھگوئی جاتی ہے ، گھاس پھوس لائی جاتی ہے۔ یہ سب ہونےکے بعد چارسے پانچ افراد ایک کاریگر کی مدد سے پھروٹی مکمل کرتے ہیں۔ اب گاؤں میں عام طور پر یہ کام مزدوروں کے 'سپورٹ' سے ہوتا ہے۔ پہلے پھر وٹی ایک ہی گھریا خاندان کے لوگ خود کرتے تھے۔ محلے پڑوس کےلوگ بھی اس میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ہر کسی کو اسکی مہارت کے حساب سے ذمہ داری دی جاتی ہے۔ کچھ کھپریل کی چھت پر تو کچھ اسکے نیچے ہوتے ہیں ۔ کوئی مٹی تیار کرتا ہے ۔کوئی نیچے سے کھڑے ہو کر اوپر کھڑے شخص کو کھپرا تھماتا ہے۔ کاریگر چھت کےکمزور حصوں کو تلاش کرتا ہے ، پھر وہاں سے ٹوٹا پھوٹا کھپرا،خراب گھاس پھوس اور سوکھی مٹی ہٹا تا ہےاور اس جگہ ضرورت کے مطابق

نئ مٹی اورنیا کھپرا رکھا جاتا ہے۔ اس طرح چھوٹی بڑی چھت کےاعتبار سے گھنٹوں مشقت کے بعد پھروٹی کا عمل مکمل ہوتا ہے۔ کھول بندی میں کھپریل کی چھت اجاڑ دی جاتی ہے۔اس کے ملبے سے اچھی اشیاء الگ کر لی جاتی ہیں، خراب پھینک دی جاتی ہیں۔ پھریہ دیکھا جاتاہے کہ اس میں کس کس چیز کی ہے ؟ کی پوری ہونے کے بعد نئ اور پرانی چیزیں ملاکرنئے سرے سے کھپریل کی چھت تیا رکی جاتی ہے۔ اس میں بھی کاریگر کی مد د لی جاتی ہے۔پہلے کھول بندی اور پھروٹی کے بعد لوگ مطمئن ہوجاتے تھے کہ اب بر سات سے زیادہ دشواری نہیں ہوگی ۔ اس کے باوجود ہر برسات میں کچھ مکان گرتے تھے جن ہیںجانی اور مالی نقصان ہوتاتھا ۔ جب بارش کی بوندیں مسلسل گرتیں تو کوئی نہ کوئی کمز ور کچا گھر ضرور منہدم ہوتا تھا ۔ بتاتے ہیں کہ اس زمانے ہیںکسی سر کا ری ٹیم کو اطلاع نہیں دی جاتی تھی ۔بار ش کےد وران آدھی رات کو بھی کسی کا گھر گرتے ہی گاؤں والے وہاں پہنچ جاتے تھے ۔ اپنے محدود وسائل کےساتھ ساتھ جی جان سےلگ جاتے تھے، انسانوں کے ساتھ ساتھ مویشیوں کو بھی بچانے کی کوشش کرتے تھے۔کبھی کبھی پوری پوری رات ملبہ ہٹانے میں گزر جاتی تھی لیکن ہمت نہیں ہارتے تھے ، ان کا حوصلہ جواب نہیں دیتا تھا ، وہ اُس زمانے کے 'سر چ اور ریسکیو آپریشن ' کو ختم کرکے ہی دم لیتے تھے۔کچے مکان کے ملبے میں دبنے سے جنازہ اٹھتا تھا۔ کسی نہ کسی کے گھر کا چراغ بجھتا تھا۔ یہ ہرسال کے بر سات کا قصہ تھا۔کمزور کچے گھروالوں کیلئے بارش کی ہر بوند میں ایک اندیشہ تھا ، خوف تھا ، جس رات بارش ہوتی تھی ، ان کی نیند حرام ہوجاتی تھی، ان کے گھر کا ہر فرد رات بھر جاگتا تھا ۔ ایسالگتا تھا کہ گھر کی کمزور دیوار کسی بھی وقت منہد م ہو جائے گی ، اسی لئےگاؤں کاہر شخص یہی چاہتاتھاکہ بار ش آئے،کھیتوں کو سیراب کرے مگر کچے گھروں کو نقصان نہ پہنچائے۔

تازہ طرحی غزل

بقلم :- مولانا اظہارالحق اظہر بستوی

درد، دل کا ہے شکایت نہیں کی جا سکتی
کیفیت کیا ہے حکایت نہیں کی جاسکتی

ایسے رت بدلی کہ سب ہوگئے آزاد مزاج
اب کسی کو بھی نصیحت نہیں کی جاسکتی

وہ بھی دیتے ہیں زمانے کو محبت کے دروس
جن سے بھائی کی عیادت نہیں کی جاسکتی

آدمیت کا تحفظ وہ ____ بھلا کیسے کریں
جن سے رشتوں کی حفاظت نہیں کی جاسکتی

آپ کے لہجے میں در آیا ہے نخوت کا مرَض
آپ کی اور حمایت ____ نہیں کی جا سکتی

خاک بدلے گا مسلمان ____ نظامِ عالم
جس سے قرآں کی تلاوت نہیں کی جاسکتی

بزم ہستی پہ فقط بار ہو تم اے **اظہر**
تم سے گر حق کی وکالت نہیں کی جاسکتی

مولانا حبیب الرحمن اعظمی حیات وخدمات

بقلم :- مولانا عبدالعلیم بن عبدالعظیم اعظمی

محدث جلیل، مورخ اسلام،حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی(نوراللہ مرقدہ)، 1361ھ مطابق 1941 میں پیدا ہوئے، آپ کا وطن جگدیش پوراعظم گڑھ ہے، جو اعظم گڑھ لکھنئو شاہ راہ پرپھول پور سے ایک کیلو میٹر جانب مشرق میں واقع ہے، یہ وہی سرزمین ہے جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اعظمی، مولانا افتخار احمد قاسمی اور قاری ابوالحسن اعظمی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کا وطن اصلی ہے ، آپ کے والد محترم کا نام حافظ انوار الحق تھا ، آپ کا ننھیال ککری پور تھا ۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ، گاوں کی بزرگ ومحترم شخصیت حاجی محمد شبلی صاحب سے حاصل کی ، ان کے یہاں قرآن مجید ، اردو ریاضی اور فارسی وغیرہ کی مکتبی تعلیم حاصل کی ، پھر گاوں سے چار کیلومیٹر کی مسافت پر واقع "برئی پور" کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے فارسی میں استعداد پختہ کی ، اس وقت یہاں دو مشہور استاذحافظ ایوب صاحب اوراعظم گڑھ کے مشہور شاعر ،جناب عبید اللہ اختر مسلمی صاحب موجود تھے، آپ نے ان سے استفادہ کیا ،اسکے بعد آٹھ ماہ مولانا حسن چھانوی صاحب سے تعلیم حاصل کی ، پھر پھول پور مدرسہ "روضۃ العلوم "سے عربی تعلیم کا آغاز کیا ، یہاں آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں اور کچھ فارسی کی کتابیں پڑھی ، اسی مدرسہ میں آپ نےحضرت تھانوی کےخلیفہ"مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری "علیہ الرحمہ سے"گلستاں" پڑھی تھی ، اس کے بعد قصبہ سرائے میر کےناموں مدرسہ "بیت العلوم سرائے میر"میں

داخل ہوئے، یہاں عربی کی تعلیم متوسطات تک حاصل کی ، اس کے بعد بغرض اعلی تعلیم مئو کا قصد کیا، اور مشرقی یوپی کی مشہور و معروف درسگاہ "دارالعلوم مئو "میں داخلہ لیا ، اور یہاں متوسطات سے عربی ہفتم کی تعلیم حاصل کی ، اور مزید تعلیم کے لئے مشہور معروف دینی درسگاہ "دار العلوم دیوبند "کا قصد کیا ، یہاں آپ ایک سال رہے ،آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درج ذیل اساتذہ سے استفادہ کیا۔
صحیح بخاری مکمل مولانا فخرالدین مرادبادی، سنن ترمذی جلداول مولانا ابراہیم بلیاوی ، صحیح مسلم وسنن ماجہ بااستثنا چند اسباق اول و آخر مولانا بشیر احمد خاں بلند شہری،سنن ابن ماجہ کے اول و آخر کے چند اسباق قاری محمد طیب صاحب ،طحاوی شریف مولانا اسلام الحق اعظمی،سنن نسائی مولانا شریف حسن دیوبندی، موطا امام مالک وموطا امام محمد حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی،سنن ابو داود مکمل و سنن ترمذی جلد ثانی و شمائل ترمذی مولانا فخر الحسن مرادآبادی سے پڑھی اور 1964 میں سند فراغت حاصل کی۔
تعلیم وتحصیل سے رسمی فراغت کے بعد درس و تدریس سے نئے علمی دور کا آغاز کیا، اولا کچھ ماہ تک مدرسہ "روضۃ العلوم پھول پور" میں شعبہ تبلیغ سے منسلک رہے ، اس کے بعد اشرف المدارس گھوسی کے ذریعہ آپ نے درس و تدریس کے میدان میں قدم رکھا ، آپ یہاں صدر المدرسین تھے ، پھر یہاں سے بنارس جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب تشریف لے گئے ، بنارس کے بعد آٹھ ماہ کے لئے ، مدرسہ قرآنیہ جونپور تشریف لائے ، اس کے بعد مشہور وکیل جناب مسعود صاحب کی طلب پر منگرواں تشریف لائے ، آپ کو مدرسہ کے انتظامی معاملات کی ذمہ داریاں سپرد کی گئ ، جس کو آپ نے بحسن خوبی انجام دیا، ایک ہی سال میں تعلیم کے اعتبار سے مدرسہ کا قد بلند ہوگیا ، اس کے بعد پھر آپ جامعہ اسلامیہ بنارس تشریف لائے ، اور 1980ء تک مسند درس

کی زینت بنے رہے ، 1982ء میں دارالعلوم دیوبند میں" وسطی "کے مدرس مقرر ہوئے ، 1414 ھ میں وسطی سے علیا میں ترقی دی گئی ، 1420ھ میں رد عیسائیت کمیٹی کے نگراں پھر ناظم مقرر کئے گئے ۔

دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کی دونوں جلدیں ، ابوداود ، مشکاۃ المصابیح ، نخبۃ الفکر اور مقدمہ ابنِ صلاح جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس رہیں،استاذ محترم مفتی سعید صاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال کے بعد بخاری شریف کے کچھ اجزاء بھی آپ کے سپرد کیے گئے تھے ، لیکن لاک ڈاون اور مدرسہ نہ کھلنے کی وجہ سے ، بخاری کے درس کا موقع ہی نہیں ملا ۔

راقم نے حضرت الاستاذ سے "مسلم شریف" کی دونوں جلدیں اور" مقدمہ ابن صلاح " پڑھی ہے ،آپ کا درس علمی اور تحقیقی مباحث سے پرمغزہوتا تھا ، ادھر ادھر کے واقعات ، ایران توران کے من گھڑت قصوں سے پاک ہوتا تھا،عبارت کے ایک ایک جزء پر علمی بحث کرتے تھے ، احادیث کے درس میں راویوں کی ہندی کی چندی کردیتے تھے ،حدیث کے درایتی پہلو پر خاص نگاہ ہوتی تھی ،حضرت الاستاذ نے ایک ہی کتاب کا کئی کئی سال درس دیا ہے ، لیکن آپ درس کے لئے ان کتابوں کی تیاری محنت ، لگن ، تن من دھن سے کرتے تھے، اس کتاب سے متعلق آٹھ دس کتابیں دیکھتے تھے ، سبق کے ہرگوشے پر کلام کرتے تھے ۔

مولانا مرحوم ایک باکمال مدرس کےساتھ ساتھ ،ایک کامیاب قلمکار اور مصنف بھی تھے، آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسائل کی مجموعی تعداد تیس سے زائد ہیں، آپکی کتابیں ، تحقیق و تدقیق اور اردو ادب وانشاء پردازی سے لبریز ہوتی ہیں ، آپ نے "شجرہ طیبہ" اور "تذکرہ علماء اعظم گڑھ "کے ذریعہ اس میدان میں قدم رکھا، دیکھتے ہی دیکھتے ،

آپ کاشمار ہندوستان کے مشہور و معروف قلمکاروں میں ہونے لگا ، استاذ محترم کی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں .

(1)تذکرہ علماء علماء اعظم گڑھ (2)شجرہ طیبہ (3) اجودھیا کے اسلامی آثار (4)بابری مسجد حقائق اور افسانے (5) ایک فتوی کا تحقیقی جائزہ (6) اسلام کانظام عبادت (7) اسلام میں تصور امارت (8) اسلام اور نفقہ مطلقہ (9) ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام اور جمعیت علماء ہند کی جد وجہد (10) مقالات حبیب تین جلدیں (11) متحدہ قومیت علماء اسلام کی نظر میں (12) خمینیت اثر حاضر کا عظیم فتنہ (13)فرقہ اثنا عشریہ فقہاء اسلام کی نظر میں (14) خلیفہ مہدی صحیح احادیث کی روشنی میں ،(15) طلاق ثلاثہ صحیح ماخذ کی روشنی میں (16) تفسیر سورہ بقرہ (17) خواتین اسلام کی بہترین مسجد (18) امام کے پیچھے مقتدی کی قرات کا حکم (19)تحقیق مسئلہ رفع یدین (20) مسائل نماز (21) امام ابوحنیفہ کا علم حدیث مین مقام و مرتبہ (22) وفاتیات نمبر ،ماہنامہ دارالعلوم دیوبند (23)شرح مقدمہ شیخ عبدالحق دھلوی (24) شرح نخبۃ الفکر (25)امام ابو داود اور ان کی سنن (26) شیعیت قرأن و حدیث کی روشن‌نی میں (27) شیوخ ابی داود فی السنن ، عربی (28) حرمت مصاہرت (29) کیا حدیث حجت نہیں ؟(30) حدیث و سنت پر نقد ونظر (31) سرسید احمد خان کا نظریہ حجیت حدیث ، بحث و تحقیق کے آئینے میں (32) بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں (33) میت پر اظہار غم کے مسائل و دلائل (34) تفسیر مظہری ، غیر مطبوعہ ۔

ان تالیفات و تصنیفات کے علاوہ سیکڑوں علمی و تحقیقی مضامین و مقالات بھی تحریر کیے جو ملک کے موقر و اہم رسائل معارف اعظم گڑھ ، برہان دہلی ، البلاغ ممبئ ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں شائع ہوئے ۔

1980 ء میں آپ کو تنظیم "عالمی موتمر "کا ناظم بنایا گیا ، اور اس سے نکلنے والے ماہنامہ "القاسم "کی ادارات بھی سپرد کی گئی ، 1984 ء میں آپ کو ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند کا مدیر منتخب کیا گیا ، آپ مسلسل پینتیس سال تک ماہنامہ کے مدیر رہے ہیں ،اس دوران آپ کے اشہب قلم سے نکلنے والے شذرات اور نگارشات کی وجہ سے ماہنامہ کا شمار ملک کے موقر و اہم رسائل میں ہونے لگا ۔

استاذ محترم علم و مطالعہ کے سچے عاشق تھے ، ہماوقت کتابیں ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی ، آپ کا حجرہ آرام گاہ کم کتب خانہ زیادہ معلوم ہوتا تھا، اخیر وقت تک آٹھ آٹھ نو نو گھنٹے مطالعہ کیا کرتے تھے ، کوئی کتاب مل جاتی تو ختم کرے بغیر ، سکون ، راحت ، سکھ ، چین نہیں ملتا تھا ، اگر کسی شخص نے کوئی عمدہ کتاب مولانا کو دے دی تو تب تک بار بار زبان پر اس کتاب کا تذکرہ رہتا ہے ، جب تک کہ وہ کتاب ختم ہی نہ ہوجائے ، عمدہ کتابیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے ، ان کے علمی ذوق ، کتابوں اور مطالعہ کا شاھد ان کا عظیم کتب خانہ بھی ہے، مولانا اسجد مدنی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مولانا کا پوتا محمد عفان اعظمی دیوبند میں قرآن کریم حفظ کر رہا تھا مولانا کے مطالعہ اور ہمہ وقت کتب بيني اور ورق گردانی دیکھ تعجب خیز لہجے میں کہا دادجان ! لگتا ہے کہ آپ کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے، چوبیں چوبیں گھنٹے کتاب یاد کرتے ہیں اور یاد نہیں ہوتی۔ مجھے دیکھیے، ایک ہی مرتبہ میں یاد کرلیتا ہوں ۔

اسی ذوق مطالعہ کا ثمرہ تھا کہ استاذ محترم کا سینہ معلومات کا گنجینہ بن گیا تھا ، جو بعد میں ان کی نوک قلم سے رواں ہوکر صفحہ قرطاس پر ثبت ہوگیا ، جسے دیکھ کر ایک خلقت انھیں" مورخ اسلام" کہنے پر مجبور ہوگئ ۔

مولانا مرحوم اردو ادب کے مایہ ناز، انشاء پرداز ادیب تھے ، تاریخ سے آپ کو خصوصی

لگاو تھا ، خصوصا دیار پورب کی تاریخ پر آپ کی خاص نگاہ تھی ، جس کا بین ثبوت "تذکرہ علماء اعظم گڑھ "جیسی شاہکارہ تصنیف ہے ، مولانا نجم الدین اصلاحی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

مولانا جگدیش پوری بھی اعظم گڑھ کے نوجوان علماء میں اپنی علمی صلاحیتوں اور بلند پایہ مضامین کے لحاظ سے اپنا ممتاز مقام رکھتے ہیں ، چناچہ مشاہیر ہند پر آپ کے کئی نمبر معارف جیسے معیاری رسالہ میں شائع ہوچکے ہیں ۔ "تذکرہ علماء اعظم گڑھ "نامی کتاب آپ کی جد وجہد اور کاوش کا ایک کامیاب کارنامہ ہے ، اس کتاب سے پہلے علماء اعظم گڑھ کے تذکرے متفرق طور پر جستہ جستہ ملتے ہیں ، لیکن کتابی شکل میں میرے علم میں یہ پہلی کتاب ہے جو اپنے مستند ماخذ اور تحقیقی حوالجات کے ساتھ آپ کے سامنے موجود ہے ، سیرت اور سوانح نگاری مسلمانوں کا وہ امتیازی وصف رہا ہے کہ آج تمام دنیا اس مصوری پر حیران ہے ، جن میں ہزاروں واقعات عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کے موجود ہیں ، اس کتاب کے دیکھنے سے صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کو کتنی زحمت برداشت کرنی پڑی اور سفر کرکے کتنے دفاتر دیکھنے پڑے ، نیز مخطوطات اور ثقہ لوگوں سے معلوم کرنے اور سننے کے بعد تحقیق و تلاش کو جاری رکھ کر یہ کتاب مرتب کرنا آپ کا اہم کارنامہ ہے ۔مؤلف کی متانت تحریر ، سنجیدگی ، بیان کی خوبی سے خوش ہوجاتا ہے ، جو ہر آئینہ مستحق مبارک باد ہے ، بہر حال کتاب اپنے ماخذ کے اور معلومات کے اعتبار سے کامل ہے ، اور مصنف کی محنت و جانکاہی صفحہ صفحہ سے ظاھر ہے " (تقریظ تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص:21)

اس کے علاوہ "مقالات حبیب "میں دیار پورب کی متفرق شخصیات کا خاکہ ہے نیز"اجودھیا کے اسلامی آثار" اور "بابری مسجد حقائق اورافسانے " سے بھی دیار پورب

کی تاریخ پر آپ کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔
مولانا مرحوم علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے ، اس کے ایک ایک گوشے پر تحقیقی ذوق رکھتے تھے ، خصوصا اس علم کا ایک فن "اسماء الرجال "سے آپ کو خاص لگاو تھا ،راویوں پر کلام ، اور ان کی پوری زندگی کی منظر کشی کچھ یوں کیا کرتے تھے کہ سننے والابے ساختہ کہہ دیتا تھاکہ یہ ہمارے وقت کے "حافظ ابن حجر عسقلانی" ہیں۔
برصغیر میں فتنہ انکارِ حجیت حدیث بہت تیزی سے پھیل رہا ہے ، مولانا مرحوم نے اس کے رد میں بیش بہاں ، علمی و تحقیقی کتابیں اور مضامین لکھا ہے ، جس میں حجیت حدیث کو دو چار کی طرح واضح کردیا ہے ۔
اکابر علماء دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ پر بھی آپ کو کافی گہرائی و گیرائی حاصل تھی ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے اکثر اداریات ، اور صفحات اسی خاص موضوع سے سیاہ ہوئے ہیں ، جو بعد میں "مقالات حبیب" کے نام سے بھی شائع ہوا ہے ۔
تذکرہ نویسی ، شخصیات کے خاکہ پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا ، آپ کے خاکے علم وتحقیق ، زبان و بیان کی برجستگی ، انشاء پردازی اور سلاست روانی سے لبریز معلومات کا سدا بہار تحفے ہوتے تھے ، مولانا اعجاز علیہ الرحمہ تذکرہ نویسی ، سوانح نگاری اور تراجم پر کلام کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ:
"اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے مخدوم فاضل گرامی مولانا حبیب الرحمن قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی مرتب کردہ کتاب"تذکرہ علماء اعظم گڑھ "ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1976ء میں شائع ہوا تھا ، جس میں مولانا موصوف نے بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ ، نہایت جانفشانی و تلاشو جستجو سے ضلع اعظم گڑھ کے تقریبا دو سو علماء کے حالات لکھے تھے ۔

اس وقت سے اب تک کے وقفہ میں اور بھی بہت سے علماء دنیا کا سفر مکمل کر کے منزل آخرت میں کمر کھول چکے ہیں ، مولانا نے اس نئے ایڈیشن میں مزید محنت کر کے تقریبا پچاس علماء کے حالات کا اضافہ کیا "(تذکرہ علماء اعظم گڑھ)

علم تفسیر پر بھی آپ کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ تھا ، آپ نے سورہ بقرہ کی تفسیر لکھی تھی اور تفسیر مظہری پر تحقیقی کام کیا تھا جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے ۔

مولانا مرحوم جمعیت علماء ھند کی مجلس عاملہ کے رکن تھے ، جمعیت کی مٹینگوں میں حق گوئی و بے باکی کے ساتھ اپنی رائے رکھتے تھے اگرچہ وہ دوسرے اراکین کی رائے کے خلاف ہوتی تھی ، جمعیت علماء ہند ملکی و ملی اہم معاملات میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتی تھی ، جمعیت علماء کی اکثر قراردادیں آپ ہی کی قلم سے مرتب ہوکر منظو ہوئی ہیں

مولانا مرحوم اپنی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے ، فجر بعد چہل قدمی کرنا ،روزانہ کا معمول تھا ، آپ کی عام صحت و پھرتی دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ آپ کے حسنات و برکات کا سلسلہ ابھی جاری رہے گا ،لیکن مشیت ایزدی نے اندازوں اور تخمینوں کو ہمیشہ شکست دی ہے ، چناں چہ مختصر علالت کے بعد اچانک 30/ رمضان 1442ھ مطابق 12/مئی 2021 جمعرات کو تقریبا سوا بارہ بجے دن میں اس سرائے فانی سے رحلت کرگئے ۔

نماز جنازہ مولانا مرحوم کے پوتے مولانا عفان قاسمی نے پڑھائی ، ایک محتاط اندازے کے مطابق چار پانچ ہزار افراد جنازہ میں شریک ہوئے تھے ،آبائی قبرستان جگدیش پور میں مولانا افتخار جگدیش پوری کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

نکاح کی بعض نئی رسمیں

بقلم :- مولانا محمد اشرف علی محمد پور اعظم گڑھ

شادی اور نکاح کی حقیقت :

نکاح ایک انسانی فطری تقاضا ہے، جس میں بہت سی مصلحتیں چھپی ہوئی ہیں،دنیا کی ہر قوم میں شادی کا چلن ہے، عمر ہونے کے باوجود شادی نہ کرنے کو ہمیشہ سے برا سمجھا جاتا تھا،اسلام نے اس ضرورت کو عبادت کا تَصَوُّر دے کر پاکیزگی عطا کردی، نکاح کو نبیوں کی سنت اور طریقہ بتایا، اللہ کے رسول صل اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کیا اور فرمایا :

میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں،جسے میرا طریقہ پسند نہیں وہ مجھ سے لاتعلق ہے (بخاري)

نوجوانوں کو شادی کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا :

"نوجوانو! تم میں جو نکاح کے قوق ادا کرنے کی قدرت رکھتاہے،؛ اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرلے؛ کیونکہ نکاح نگاہوں کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت میں مدد کرتا ہے" (بخاري)

صحت مندآدمی عمر ہو جانے کے باوجود اگر نکاح نہ کرے تو اس کے بے حیائی کے گناہ (زنا) میں مبتلاء ہونےکےامکانات بڑھ جاتے ہیں،زنا اورنکاح دونوں ایک دوسرے کی ضد اورمخالف چیزیں ہیں، دونوں میں" زمین آسمان" کا فرق ہے،زنا چھپ کر اور ڈرکر کیا جاتا ہےاور نکاح علانیہ کیا جاتا؛ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجد میں انجام دو" (ترمذی)
غالبا مسجد میں نکاح کی غرض بھی اعلان کرنا اور لوگوں کو خبر کرنا ہے؛ تاکہ سب کو معلوم ہو کہ کس کا رشتہ کس سے ہوا ہے اور کون کس کی اولاد ہے۔
اسلام میں نکاح بہت آسان سی چیز ہے، مثلاً :ایک بالغ مرد وعورت جوایک دوسرے کے محرم نہ ہوں،دو گواہوں کے درمیان، مہر کی ایک مقدارطے کر کے،ایجاب وقبول کرلیں تو دونوں کا نکاح منعقد ہوجائے گا،ہمارے یہاں بعض مصلحتوں کی وجہ سے، عام طور پر لڑکی نکاح خواں کو اپنی طرف سے وکیل بنادیتی ہے اور وہ لڑکی کی جانب سے ایجاب کرتا ہے اور لڑکا قبول کرلیتا ہے، نکاح کی یہی اصلیت اور حقیقت ہے، ہاں حیا اور والدین کی شفقت کا تقاضا ہے کہ زوجین خود سے شریکِ حیات کا انتخاب نہ کریں؛بل کہ یہ کام سرپرستوں کے حوالہ کردیں، جب وہ انتخاب کرلیں تو ان کی پسند کو اپنی پسند بنا لیں؛ **تاہم اگر لڑکی کو لڑکے میں یا لڑکے کو لڑکی میں کوئی ایسا عیب یا برائی معلوم ہو جس سے اس کے ساتھ زندگی گذارنا مشکل ہو یا دین کا نقصان یا چین و سکون کا غارت ہونا یقینی لگے، تو وہ اس انتخاب کو ناپسند بھی کرسکتے ہیں۔**
شوہرکےلیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسکے پاس بیوی کے لیے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کرنے کی وسعت اور وظیفہِ زوجیت اداکرنے کی طاقت ہو، یہی نکاح کی اصل ہے،باقی سارے لوازمات اضافی چیزیں ہیں، ان کا نکاح کے انعقاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہاں کچھ چیزیں سنت اورمستحب کی قبیل سے ہیں، جیسے: نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا، **نکاح کے بعد چھوہارے یا شیرینی تقسیم کرنا،زوجین کو نکاح کی مبارک باد دینا،ولیمہ کرنا وغیرہ**

شریعت نے نکاح کو اتناآسان اس لیے بنایا تاکہ نکاح عام ہوجائے اور ہر فرد کے لیے نکاح ممکن ہوجائے ،زنا مشکل ہوجائے اور اس کے دروازے مسدود ہوجائیں _ مسلمانوں کے سنہرے دور میں نکاح بہت آسان سی چیز تھی، اسے ایک نعمت اور عبادت کے طور پر انجام دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے نکاح میں برکت ہوتی تھی، اولادیں نیک و صالح ہوا کرتی تھیں, دلوں میں سکون اور گھروں میں امن و امان ہوا کرتا تھا، جب کہ ہمارے زمانے میں، ایمان کی کمزوری اور آخرت فراموشی کی وجہ سے، نکاح محض ایک دل لگی کی چیز اور رسم بنتا جارہا ہے،نکاح میں شریعت اور سنت کو فراموش کردیا جاتا ہے، بل کہ اب تو بہت سی غیر اسلامی رسمیں اور گناہ کی باتیں بھی نکاح میں شامل ہوگئی ہیں،جو یقیناً اللہ کی ناراضگی کاسبب ہیں، ایک اللہ والے کے بقول: **"نکاح میں سب کو خوش کیا جاتا ہے،سوائے اللہ کے اور سب کی رعایت کی جاتی ہے سوائے اللہ کے رسول _صلی اللہ علیہ وسلم_ کی طریقوں کی"**

ایک ایسی عورت جسےاپنی مغفرت اور جنت میں جانے کی فکر دامن گیر ہو اسے یہ جاننا ضروری ہے کہ نکاح میں وہ کون سی رسمیں ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں اور جن سے اللہ ناراض ہوتے ہیں اور جاننے کے بعد اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے

مہندی لگانا

عورت کے لیے مہندی لگانا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ پسندیدہ ہے،اگر شادی میں لڑکی کو مہندی لگائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛مرد کے لیے مہندی لگانا جائز نہیں ہے،اس سلسلے میں ایک اصول یاد رکھنا چاہئے کہ *"مرد کے لیے ایسی خوشبو لگانے کاحکم ہے جس میں مہک ہو،رنگ نہ ہو، عورت کے لیے ایسی خوشبو لگانے کا حکم ہے

جس رنگ ہو مہک نہ ہو"* عورت اگر نامحرم مردوں کے سامنے مہک والی خوشبو لگا کر آتی ہے یا ان کے سامنے سے گذرتی ہے تو اس پر حدیثوں میں سخت وعیدیں آئی ہیں ؛ بل کہ ایسی عورت کا زانیہ(زناکار) کہا گیا ہے _

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

أيما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا من ريحها فهي زانية... (نسائی)

جو عورت خوش بو لگاکر مردوں کے سامنےاس لیے گذرے کہ مرد اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ عورت زناکار ہے۔۔۔ (نسائی)

عن أبي هريرة: أن امرأة مرت به تعصف ريحها فقال: يا أمة الجبار المسجد تريدين؟ قالت: نعم، قال وله تطيبت؟ قالت: نعم، قال: فارجعي فاغتسلي فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما من امرأة تخرج إلى المسجد تعصف ريحها فيقبل الله منها صلاة حتى ترجع إلى بيتها فتغتسل .

أخرجه أبو داود.

حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ کے پاس سے ایک عورت خوشبو بکھیرتی ہوئی گذری، انہوں نے کہا :اے جبار(اللہ) کی باندی! مسجد جارہی ہو؟،اس نے کہا :ہاں،پوچھا: کیا اسی لیے خوشبو لگائی ہے؟ عورت نے کہا :ہاں، فرمایا:واپس گھر جاؤ، خوشبو دھل کر آؤ،میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت بھی خوشبو لگاکر مسجد آتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ گھر جاکر اس کو دھو نہ ڈالے _ (ابوداؤد)

واضح ہوکہ اُس دور میں عورتیں نماز کے لیے مسجدوں میں بھی جایا کرتی تھیں، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب مسجد میں (جو خانہ خدا ہے)،
خوشبو لگا کر جانا اس قدر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے،تو بازار (جو غفلت اور لہو لعب کی جگہ ہے) خوشبو لگاکر جانا کتنا بڑا گناہ ہوگا_
ایک بات یہاں اور سمجھ لینی چاہیے کہ عورت کے لیے یہ سارے احکام شوہر کے علاوہ دیگر مردوں کے اعتبار سے ہیں، ورنہ عورت اپنے شوہر کے لیے اور اس کے سامنے، ہر قسم کی زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے، ہر قسم کی خوشبو لگاسکتی ہے،ہر طرح کا کپڑا پہن سکتی ہے_

ہلدی لگانا

پہلےزمانے میں جب صابون شیمپو وغیرہ کا چلن نہیں تھا، شادی سے پہلے بدن کی صفائی کے لیے ہلدی یا ابٹن لگایا جاتا تھا؛ مگر اب جب کہ صابون وغیرہ کا استعمال عام ہو گیاہے،نہانے دھونے کا ماحول اور معمول بھی پہلے سے زیادہ ہوگیاہے ، میرے خیال سے صفائی کے مقصد سے ابٹن یا ہلدی کی ضرورت باقی نہیں رہی، اب یہ کام محض ایک رسم کے طور پر انجام دیا جاتا ہے،جسے ترک کیا جانا ہی مناسب ہے؛تاہم اگر کوئی صفائی یاکسی اور فائدے کے پیشِ نظر ہلدی لگانا چاہے تو فی نفسہٖ جائز ہے، لڑکی اور لڑکا دونوں لگا سکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں منکرات شامل نہ ہوں،مثلاً : مرد کو عورتیں ہلدی لگائیں یا عورت کو مرد لگائیں تو یہ سراسر حرام ہے،اسی طرح مرد کو مرد لگائیں؛ مگر ستر بھی کھولنا پڑے تو بھی ناجائز ہوگا،واضح رہے کہ مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے،ان کے درمیان کا حصہ کسی مرد یا عورت کے سامنے

کھولنے کی اجازت نہیں ہے،ایسے ہی اگر عورت کو ابٹن لگانے والے عورتیں ہوں تو ان سے بھی جسم بعض حصوں کا پردہ ہے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے ایک سوال کے جواب میں لکھا:

ایک مسلمان عورت دوسری مسلمان عورت کے سامنے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے علاوہ ستر کھول سکتی ہے؛البتہ بلاضرورت کھولنے سے احتیاط کرنی چاہیے:

وتنظر المرأة المسلمة من المرأة کالرجل من الرجل وقیل کالرجل لمحرمه

والأول أصح۔ (الدر المختار مع الشامی: 9/533 ط زکریا دیوبند)_

مال داروں میں رسم ِ ہلدی کے نام پر ایک نئی وبا

ہمیشہ سے دیکھا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو مال دیتے ہیں اور اس کے سامنے کوئی مقصدِ زندگی نہیں ہوتا ہے تو شیطان ان کی خوشیوں اور تقریبات کے موقع پر نئے نئے عنوانات سے ان کا مال غلط چیزوں اور نام ونمود میں خرچ کراتا ہے، جبکہ مالداروں کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ یہ مال اللہ کا فضل ہے،بطور امتحان اللہ نے دیاہے،ضروری نہیں کہ مال ہمیشہ رہے، میں نے اپنی مختصر سی زندگی بڑی عبرت کی چیزیں دیکھی ہیں، بڑے انقلابات دیکھے ہیں ،زکات دینے والے زکات لینے والے بن گئے،منہ مانگی قیمت پر زمینیں خریدنے والے زمینیں بیچنے والے ہوگئے_

گنگناتا جارہا تھا اک فقیر : دھوپ رہتی ہے نہ سایہ دیر تک

ایک وبا ابھی جلدی سے بہت تیزی کے ساتھ ہمارے معاشرے کے مالداروں اور متوسط طبقے میں ہلدی کی رسم کے نام پر پھیل رہی ہے،جس میں ہلدی کے دن گھر کے سارے لوگ بالخصوص عورتیں ہلدی کلر کا کپڑا زیب تن کرتی ہیں، بعض جگہ تو

ر اور کپڑے پر بھی مل لیتے ہیں،یہ غیروں کے بعض تہواروں کی مشابہت ہے، یہ سراسر غیر اسلامی رسم ہے اور یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کا اللہ پر آخرت کے دن ایمان نہیں ہے اور جن کا اول وآخر سب کچھ دنیا اور دنیا کی زیب زینت ہے اور جو اپنی ہر خواہش یہیں پوری کرنا چاہتے ہیں۔

اس رسم کا دین سے یا اسلامی معاشرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، مجھے بتایا گیا کہ اس رسم کو ہمارے معاشرے میں،بے دین عورتوں نے ٹی وی ڈراموں اور سیریلوں کو دیکھ کر اپنایا اور پھیلایا ہے۔

اگر یہ درست ہے تو مزید افسوس کا سبب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سماج کا رشتہ دین سے اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ ہماری ماؤں اور بہنوں کا محبوب مشغلہ نماز،ذکر و تسبیح وتلاوت، بچوں کی تعلیم و تربیت وخدمت نہ ہوکر ڈرامے اور سیریل دیکھنا ہوچکا ہے اور ہمارے علماء اور دینی تحریکوں کے اثرات ان تک نہیں پہنچ رہے یا کم پہنچ رہے ہیں،اصلاحِ معاشرہ کا عمل، فساد و بگاڑ کے سیلِ رواں کے سامنے رک سا گیا ہے ۔

اللہ کرے کہ ہمارے نوجوان اور بزرگ، مائیں اور بہنیں، بچے اور بچیاں رسم و رواج کے برعکس، نکاح کو سنت کے مطابق انجام دے کر شہیدوں کا اجر حاصل کریں!

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں : یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

بنیادی دین سے لا پرواہی

بقلم :- مولانا محمد رضوان اعظمی

یہ بات سچ ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں مساجد بھی خوب ہیں, اور مدارس دینیہ بھی, تبلیغی جماعتیں بھی سعی و کوشش میں لگی ہیں اور اصلاحی و ترغیبی جلسے و جلوسوں کی بھی کمی نہیں, دینی و اصلاحی کتابوں کی اشاعت و ترسیل بھی روز افزوں ہے, ویڈیو و آڈیوز کی شکل میں تعلیمی و تربیتی کام بھی کثرت سے ہو رہا ہے لیکن ان تمام زمینی وہوائی سرگرمیوں اور کوششوں کے باوجود ملت اسلامیہ کا ایک بڑا طبقہ اب بھی بنیادی دین سے نابلد ہے,خصوصاً نوجوان نسل اس میں زیادہ مبتلا ہے , اسے قرآن کی دو چار سورتیں بھی یاد نہیں, منقولہ دعائیں اور اذکار و تسبیحات تو بہت دور کی بات ہیں, سیرتِ نبوی اور حالات صحابہ و صحابیات کی معلومات تو علماء اور مشائخ کا کام ہےہی، بارہا یہ تجربہ ہواکہ کسی نوجوان نےپریشانی بتلاکر دعا و وظیفہ کی درخواست کی, تو قرآن کی کوئی آیت یا سورت تجویز کر دی, مگر مبتلا یہ کہنا لگتا ہے, حضرت, مولانا صاحب ! ہم قرآن نہیں پڑھ پاتے ہیں, اور ہمیں یاد بھی نہیں کہ زبانی پڑھ لیں. جب کہ سورہ فاتحہ اور چند سورتیں یاد ہونا صحتِ نماز کے لئے لازم ہے, تازہ واقعہ یہ ہواکہ آج ایک نوجوان ملنےآیا اور کہنے لگا کہ دل پریشان رہتا ہے, گھبراہٹ ہوتی ہے, کوئی حل بتائیں, میں نے کہا آیت الکرسی کثرت سے پڑھا کرو, کہنے لگا, قرآن پڑھنا نہیں آتا, میں نے کہا : سورہ فاتحہ پڑھو, جواب دیا کہ وہ بھی نہیں آتی, صرف ایک چھوٹا درود یاد ہے, بقیہ سورت اور دعائیں کچھ بھی یاد نہیں, میں نے کہا

اد کر لو, کہنے لگا, بہت مشکل ہے, کام پر بھی جاتا ہوں , نیز کھانا پکانا اور دوسرے گھریلو کام خود کرنے پڑتے ہیں, پھر آپ بیتی سنانے لگا کہ تین مہینے ہوئے میری بیوی مع بچوں کے کسی دوسرے نوجوان کے ساتھ فرار ہو گئی, میرا گھر اجڑ گیا, ایک تین چار سال کی بچی ہے اور ایک چند مہینے کا بچہ, اب خبر ملی ہے کہ اس عاشق نا خدا ترس نے بھی دھوکہ دے دیا ہے اور میری بیوی کسی تیسرے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے. جو شرابی اور غلط کردار کا انسان ہے, میں کیا کروں, مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے, کوئی حل بتائیں, بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں عام لوگوں کا مزاج یہ بنتا جا رہا ہے کہ زندگی جب مشکل میں پڑتی ہے, تب مولویوں کا رخ کرتے ہیں اور مشکل کشائی چاہتے ہیں, مسجدوں میں سجدے کرنا شروع کر دیتی ہیں, با اخلاق بھی ہو جاتے ہیں, حالانکہ اگر یہی سب اعمال پہلے کرتے تو کیا عجب ہے کہ مشکلات سے دوچار ہی نا ہوتے...

چل دیئے سوئے حرم کوئے بتاں سے مومنؔ : جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کی بڑی تعداد صرف نام کی مسلمان ہے, اور چند علامتی چیزوں کو اسلام خیال کرتی ہے, جیسے عید, بقرعید, 12/ ربیع الاول ,اور محرم و شب برات و غیرہ, اور انہیں اسلامی فرائض و واجبات سے کوئی سروکار نہیں.

دلاور فگار نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا تھا کہ :

اگرچہ پورا مسلمان تو نہیں لیکن : میں اپنے دین سے رشتہ تو جوڑ سکتا ہوں

نماز و روزہ و حج و زکوۃ کچھ نہ سہی : شب برات پٹاخہ تو چھوڑ سکتا ہوں

حاجی رضوان اللہ صاحب ممبئیؒ

بقلم :- مولانا طہ جون پوری

دنیا والو مبارک یہ دنیا تمھیں ؛ کر چلے ہم سلام آخری آخری

اللہ تعالی نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے، تو یہاں انسان رہنے کے لیے نہیں، بلکہ حیات بعد الممات کی تیاری کے لیے آیا ہے۔ چناں چہ سعادت مند ہیں ، وہ لوگ جنھوں نے اس مقصد زندگی کو حقیقت میں، مقصد زندگی بناکر ، یہاں کی عارضی حیات گذاردی۔ حاجی رضوان اللہ صاحب مرحوم بھی انھیں سعادت مند لوگوں میں سے ہیں۔

ولادت اور ابتدائی زندگی:

"حاجی صاحب مرحوم" کی پیدائش 25 دسمبر 1939ء کو، ان کے بھائی "جناب ضیاء اللہ" کے بقول "چمن ، کوئٹہ، پاکستان" میں ہوئی۔ "حاجی صاحب مرحوم" کےوالد چوں کہ ، ریلوے میں ڈاکٹر تھےاور ان کا ٹرانسفر ہوتا رہتا تھا ، اس لیے جب والدصاحب "آگرہ " آگئے، تو بچوں کو لے کریہاں منتقل ہوگئےاور پھر یہیں کچھ دن رہے۔

ممبئی آمد ،ایام جوانی اور عطر کا کاروبار:

جب حاجی صاحب کےوالد کا انتقال ہوگیا، تو نانا کے وہاں رہے۔ کیوں کہ نانا بھی "آگرہ " ہی کے تھے۔ "حاجی صاحبؒ" کے نانا، ایک زمین دار تھے۔ جب زمین داری ختم ہوئی، توروح گلاب کی تجارت شروع کیا،اورروح گلاب کشیدکرکے"ایران"

" جاتا تھا، اور کچھ "ممبئی" بھی آتا تھا۔ حاجی صاحب کے نانا کی کھیتی، "آگرہ" میں "جلیسر" کے مقام پر تھی، اور وہاں کھیتی کیا کرتے تھے اور "فصلی گلاب" سے روح گلاب کشید کرتے تھے۔ کیوں کہ ہر گلاب سے روح گلاب کشید بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں کچھ دن رہے اور پھر والدہ کے ساتھ، "ممبئی" آگئے، کیوں کہ ماموں یہاں کچھ کاروبار شروع کرچکے تھے

یہاں "حاجی صاحبؒ" بڑے ہوئے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اور یہ تعلیم، عصری تعلیم تھی۔ چناں چہ BSC کرلیا تھا، اور اب ارادہ تھا، کہ میڈیکل میں داخلہ لیں۔ ادھر حاجی صاحب کے جو منجھلے بھائی تھے، ان سے تجارت میں کچھ خاص فائدہ نہیں ہوتا تھا، اس لیے حاجی صاحب نے، بھائی کے ساتھ تجارت کی دیکھ ریکھ شروع کردی اور پھر یہیں سے عطر کی تجارت میں آگئے۔ اور الحمد للہ ایک کامیاب تاجر بن گئے۔

مرشد امت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب رحمہ اللہ سے تعلق

حاجی صاحب مرحومؒ، یہیں "ڈونگری، چار نل، ممبئی، بھنڈی بازار" میں رہائش پذیر تھے۔ اس زمانے میں حضرت مرشد امت رحمہ اللہ کی "ممبئی" آمد ہوتی اور آپ کے اصلاحی بیانات "پتھر والی مسجد، چکلہ اسٹریٹ، ممبئی" میں وغیرہ ہواکرتے تھے۔ ابتدا میں تو "حاجی صاحب مرحوم" کبھی کبھار شرکت کرتے، لیکن بعد میں چل کر "ولی بھائی مرحوم" اور "فخر بھائی مرحوم" (آپ دونوں حضرات کا "اعظم گڑھ" کے "کوٹلہ" گاؤں سے تعلق تھا، اور "ممبئی" میں "حضرت مرشد امتؒ" کے اولین میزبانوں میں رہے اور "ریاض العلوم گورینی جون پور" کے

محبین و مخلصین میں سے تھے) کے توسط سے ، ’’حضرت مرشد امت ؒ‘‘ سے تقریباً آج سے پچاس قبل 1970/72ء میں تعلق قائم ہوا۔

مرشد امت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب رحمہ اللہ کون تھے؟

آپ مشرقی اترپردیش کے نامور عالم دین اور بافیض صاحب نسبت بزرگ تھے۔ موضع ’’دیوریا لالہ‘‘ ضلع ’’فیض آباد‘‘ (موجودہ امبیڈکر نگر) میں پیدا ہوئے اور 1364ھ/ 1928ء میں ’’مظاہر علوم، سہارن پور‘‘ سے فراغت ہوئی۔ فراغت کے معاً بعد، دو سال وہیں معین مدرس رہے اور 1935ء میں ’’مانی کلاں ، جون پور‘‘ تشریف لائے اور یہاں ایک لمبے زمانے تک خدمت انجام دی۔ ’’ضیاء العلوم‘‘ جو کہ ایک چھوٹا مکتب تھا، اس کو معروف ادارہ بنادیا؛ اور پھر وہاں کے کچھ لوگوں کی ناقدری کی وجہ سے، ’’مانی کلاں‘‘ سے جانب مغرب تقریبا پانچ کلو میٹر کی دوری پر، بے آب وگیاہ زمین ’’گورینی‘‘ کی طرف ہجرت کرگئے اور یہاں 1973ء میں ’’ریاض العلوم ‘‘ کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی، جو آج مشرقی اترپردیش کا عظیم دینی ادارہ بن گیا۔ آپ ؒ 1972ء میں ’’دارالعلوم دیوبند‘‘ کی رکن شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ ’’مظاہر علوم سہارن پور‘‘ اور ’’ندوۃ العلماء‘‘ کے بھی تاحیات مؤقر رکن شوریٰ رہے۔ مجالس شوریٰ میں آپ کی آراء بڑی احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ 10 محرم الحرام 1420ھ/ 27/ اپریل 1999 کو ’’گورینی‘‘ میں انتقال ہوا؛ اور وہیں ’’قبرستان حلیمی‘‘ میں مدفون ہوئے۔ (نوٹ: اس تعارف میں کچھ چیزیں، دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ: مؤلف: مفتی محمد اللہ خلیلی صاحب رعاہ اللہ۔ ص: 674۔ سے لکھی گئ ہیں۔

(تفصیلات کے لیے : ماہنامہ ریاض الجنۃ گورینی، مرشد امت نمبر،دیکھیں۔)

حاجی صاحب کی زندگی میں صالح تبدیلی

''حضرت مرشد امت رحمہ اللہ '' سے تعلق کے بعد، ''حاجی صاحب مرحوم'' کی زندگی میں صالح تبدیلی کے نمایاں اثرات ظاہر ہوئے۔ عمر کی ابھی تقریباً کچھ ہی دہائیاں گذری تھیں، کہ سنت رسول سے اپنے چہرہ کو مزین کرلیا اور جسم پر وقت کے بزرگوں کے طرز پر، لباس پہننا شروع کردیا۔ چناں چہ 1974 میں پہلے سفر حج سے واپسی پر، چہرے پر ڈاڑھی رکھ لی اور اس کے بعد ہمیشہ سنت رسول سے چہرہ کو سجائے رکھا۔

حاجی صاحب مرحوم سے بندہ کی ملاقاتیں

''حاجی صاحبؒ'' اپنے شیخ ''حضرت مرشد امت رحمہ اللہ '' کی زیارت اور ''مدرسہ ریاض العلوم'' کی شوریٰ میں شرکت کی غرض سے، حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کا قیام ''حضرت ناظم صاحب حفظہ اللہ'' (حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب مظاہری (سن ولادت 1955عیسوی خلیفہ و جانشین مرشد امت حضرت مولاناعبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ بانی مدرسہ، جنھیں سابق فضلاء ریاض العلوم، ناظم صاحب سے جانتے اور پکارتے ہیں) (بحوالہ: سفر ممبئی کے کچھ یادگار نقوش (قسط2) از: اظہارالحق قاسمی بستوی)کے مکان پر رہتا تھا۔ چوں کہ ''حاجی صاحب'' بچوں سے بہت لگاؤ رکھتے تھے اور ان کو راستہ آتے جاتے، چاکلیٹ و ٹافی دے کر خوش کیے رہتے تھے، اس لیے یقینی طور پر، محلے کا ہربچہ بہ شمول بندہ ''حاجی صاحب'' کی چاکلیٹ سے لطف اندوز ہواہے اور یہی وہ وقت ہے، جب ''حاجی صاحب'' کی زیارت ہوئی۔ اور پھر وہ وقت

آیا کہ ہم شعور کی عمر کی پہونچے اور وطن میں "حاجی صاحب" سے باضابطہ ملاقات ہوتی؛ گر چہ یہ ملاقات تھوڑے ہی وقتوں کے لیے ہوتی۔

حاجی صاحب مرحوم کی خدمات اور اہل خاندان سے عقیدت

ویسے تو "حاجی صاحب مرحوم" کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، لیکن چند کا ایک ذکر بہ طور مثال پیش ہے۔

(1) "حاجی صاحب مرحوم" نے اپنے شیخ کے لیے، للہ خدمت کی اور جب سے اپنے شیخ کے خادم خاص بنے، ہر چیز کا پورا خیال رکھتے۔ اپنے شیخ کے ساتھ باہر ممالک کے سفر میں بھی رہے، اور شیخ کو سفر کی مشقتوں سے بچانے کی ہر آن کوشش کرتے۔ دوران سفر حج، کتابوں کی فراہمی کے لیے، اپنے شیخ کی مطلوبہ کتاب کے لیے پوری کوشش کرتے۔ چناں چہ "ریاض العلوم" کے کتب خانے میں، کتابوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے، جو "حاجی صاحب مرحوم" کے توسط سے پہونچی ہے۔ حالانکہ کتابوں کی حصولیابی کتنی مشکل چیز ہے، لیکن پھر بھی اس کے لیے مکمل تگ و دو کرتے۔

(2) اپنے شعور کے سالوں میں دیکھا، کہ "ریاض العلوم" کی مسجد میں، رمضان المبارک کے اندر، تراویح میں تکمیل قرآن پاک کے موقع پر، "حاجی صاحب مرحوم" مصلین کو تقریبا ہر سال الگ الگ کتاب و عطر کا تحفہ دیتے۔

(3) اپنے شیخ کے خانوادے کا خوب خیال رکھتے تھے۔ سالوں پہلے کی کچھ باتیں اب بھی یاد ہیں، کہ "حاجی صاحب مرحوم" کبھی کبھار بندہ کو لے کر نماز عصر کی ادائیگی کے بعد باہر نکلتے اور مسجد کے باہر، مشرقی سمت میں صدر دروازہ کے بالکل

قریب، ''حضرت مرشد امت ؒ'' کے بڑے فرزند، ''حافظ عبدالعلیم صاحب ؒ'' کی دکان تھی، یہاں ''حاجی صاحب مرحوم'' خریداری کے لیے آتے اور گھر والوں کے لیے کچھ خریدتے۔ بعض مرتبہ مطلوبہ سامان نہیں ملتا، تو رقم دیتے اور کہتے کہ یہ لاکر گھر پہونچا دو۔ خدمت کا یہ جذبہ ریاکاری یا نام ونمود کے لیے کبھی بھی نہیں تھا، بلکہ یہ ''حاجی صاحب مرحوم'' کی اپنے شیخ سے عقیدت کی بنیاد پر تھا، جس میں بلا شبہ وہ مخلص تھے۔

(4) جب ''مفتی حنیف صاحب ؒ جون پوری'' کو 1988/89ء کے آس پاس کینسر جیسا مہلک مرض ہوا، اس وقت ''حاجی صاحب مرحوم'' اور مفتی صاحب ؒ کے داماد، ''حضرت ناظم صاحب'' کی بڑی خدمات رہیں۔ تقریباً دوماہ تک مسلسل لے کر دوڑتے رہے اور علاج کراتے رہے۔ چوں کہ مرض شہ رگ کے قریب تھا، اس میں نشتر لگانا خطرے کا کام تھا، اور مرض شاید تیسرے مرحلے میں پہونچ چکا تھا، اس لیے، شعاعوں کےذریعے سے، پہلے علاج ہوا۔خیر علاج کی تفصیل تو ''حضرت ناظم صاحب'' ہی تفصیل سے بتاپائیں گے، کیوں کہ ساتھ میں رہنے سے ان پر خطرات تھے۔ علاج کے سلسلے میں، جب یہاں '' مفتی صاحب مرحوم'' کو ''حضرت ناظم صاحب'' اور ''مولانا عتیق الرحمن صاحب بستوی'' لے کر آئے، توڈاکٹروں کے پاس مشورے کے لیے ''حاجی صاحب مرحوم'' پیش پیش رہے، کیوں کہ حاجی صاحب واقف کار تھے۔ اس موقع پر، جو بات ہوئی اس کا ''حاجی صاحب مرحوم'' نے ایک مرتبہ واقعہ سنایا، جس سےاس ''ڈرامائی کورونا'' کے دور میں بڑا سبق ملتا ہے۔ ''حاجی صاحب مرحوم'' نے بتایا، کہ جب ہم مفتی صاحب کو لے کر، ہاسپٹل پہونچے، تو ڈاکٹروں کی ٹیم نے

دیکھنے کے بعد، آپس میں کہا، کہ اب یہ تو ایک ماہ یا دو ماہ کے مہمان ہیں۔ ڈاکٹروں کی یہ گفتگو انگریزی زبان میں تھی۔ مفتی صاحبؒ کو شاید کچھ محسوس ہوا، انھوں نے ''حاجی صاحب مرحوم'' سے پوچھا، کہ ڈاکٹرز کیا کہ رہے ہیں؟ جواب میں ''حاجی صاحب مرحوم'' نے کہا، کہ وہ کہ رہے ہیں کہ جلدی ٹھیک ہوجائیں گے۔ اس پر کسی ڈاکٹر نے، دوسرے ڈاکٹر سے کہا، یہ دیکھو! ہم تو کہ رہے ہیں، کہ معاملہ یہ ہے اور یہ زبان نہیں سمجھ رہے ہیں اور مریض کو ایسا بتارہے ہیں۔ اس پر ''حاجی صاحب مرحوم'' نے ان ڈاکٹروں سے پھر انگریزی زبان میں گفتگو کی اور اپنا تعارف کراکر پھر کہا: کہ دراصل ہم مریض کو حوصلہ دے رہے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر حضرات خاموش ہوگئے۔ خیر مفتی صاحب مرحوم کا علاج ہوا اور قدرت کا کرشمہ کہ آپ ٹھیک ہوگئے۔ تو اس پر ''اسماعیلیہ ہاسپٹل، ممبئی'' کے مشہور ڈاکٹر '' سلطان پردھان'' نے کہا، کہ اپ ہماری دوا سے نہیں ٹھیک ہوئے ہیں۔ آپ کے ساتھ میں ٹوپی والے ہیں ان کی دعاؤں سے ٹھیک ہوئے ہیں اور پھر ''مفتی صاحبؒ'' ایک لمبے زمانے تک تاحیات رہے۔

اس واقعہ میں ایک خاص بات یہ ہے،کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے،کہ مریض کی حوصلہ افزائی کی جائے،چناں چہ حدیث میں یہ دعابھی بتائی گئی ہے۔ 'لاباس طہوران شاءاللہ' اس سے معلوم ہوا،کہ مریض کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔لیکن افسوس کی بات ہے، کہ کورونا کے زمانے میں دشمنان اسلام اس بات میں ایک حد تک اس بات میں کام یاب ہوگئے کہ اگر کسی کو یہ بیان کردہ بیماری ہوگئی، تو اس کو ہرطرح سے الگ تھلگ کردیا جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ وہ دشت تنہائی کا ایک مکیں ہوگیا۔

اس کے علاوہ ہر اللہ والے کے لیے کچھ نہ کچھ تحفے تحائف کا انتظام کرتے تھے اور اگر یہ پتہ چل جاتا، کہ فلاں شخص، فلاں بزرگ کے پاس جارہا ہے، تو بس کوشش یہی ہوتی، کہ ان بزرگ کے پاس کچھ بیش قیمت عطر، وغیرہ کے تحفے پہونچ جائیں۔
ابھی لاک ڈاؤن سے قبل کا واقعہ ہے، کہ ''تاج بھائی'' جن کی سیلون کی دکان، ''مرغی محلہ'' میں ہے، وہ ''حاجی صاحبؒ کے یہاں کچھ سامان لینے پہونچے اور کہا، کہ فلاں عطر دے دیں، ''حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھ'' کو پہونچانا ہے۔ بس کیا تھا، ''حاجی صاحبؒ نے حضرت کانام سن کر، ''تاج بھائی'' کے بقول تیس سے پینتیس ہزار کا تحفہ پیک کرادیا اور ہدیۃ عنایت کردیا۔

حاجی صاحب مرحوم اور کچھ یادیں

جب میں یہاں''شہر ممبئی''سال 2016 میں آیا،تو ''حاجی صاحب مرحوم''کی دوکان، مسجد سے پیادہ پا چند منٹ کے فاصلے پر تھی، اس لیے وقتا فوقتا ملاقات کے لیے جاتا ؛ اور یہیں جاکر میں نے اس بات کو محسوس کیا، کہ ''حاجی صاحب مرحوم'' کو اپنے شیخ اور''خانوادہ حلیمی'' سے بے لوث محبت و عقیدت تھی اور اپنے شیخ کی نسبت پر، ہم خوردوں کے ساتھ جس احترام کا مظاہرہ کرتے، وہ ناقابل بیاں ہے۔ کیوں کہ ''حاجی صاحب مرحوم'' کو اپنے شیخ سے فدائیت کی حد تک، للہ عقیدت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی شیخ کی بات آجاتی، تو آنکھیں بھرآتیں۔ اگر یہ بات کہی جائے، کہ ''حضرت مرشد امتؒ '' کا نام آنے کے بعد، بے ساختہ رونے والی ذات ''حاجی صاحب مرحوم'' کی تھی، تو مبالغہ نہ ہوگا، کیوں کہ ''حاجی صاحب مرحوم'' کی زندگی کو پلٹنے میں، ''حضرت مرشد امتؒ '' کا ہی اثر تھا، جس کا ''حاجی صاحب

مرحوم" پوری زندگی زبان حال و قال سے اقرار کرتے رہے۔
دوران ملاقات اس بات کا بھی احساس ہوا، کہ "حاجی صاحب مرحوم" کے پاس "حضرت مرشد امتؒ " کے بہت سے تربیتی خزانے تھے، جو "حاجی صاحب مرحوم" کو اپنے شیخ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مل گئے اور یہی وجہ ہے، "حاجی صاحب مرحوم" ان کو اگر سناتے، تو کہتے کہ میرے پاس کیا ہے، یہ تو سیکھا ہوا ہے اور سبق کو دہرا رہا ہوں اور پھر رونے لگتے۔ "حاجی صاحب مرحوم" اپنے شیخ کے واقعات موقع بہ موقع سناتے رہتے۔ چناں چہ ایک مرتبہ پردے کے سلسلے میں بات آئی، تو بتایا، کہ حضرت شیخ یہیں "ممبئ" میں تھے۔ ایک اہم عہدے پر فائز کوئی خاتون آفیسر بالمشافہ ملاقات کے لیے آئی، پیغام کہلوایا، تو حضرت شیخ نے پردے کے اہتمام کی وجہ سے ملاقات نہیں کی۔ اور باہر ہی روک دیا۔

عقیدت کا دو واقعہ

یوں تو واقعات بہت ہوں گے، لیکن، میں صرف دو واقعے کا ذکر کرتا ہوں۔
(1) "حاجی صاحب مرحوم" جس مکان میں رہتے تھے، وہ "ممبئ" کی زبان میں بلڈنگ میں واقع تھا۔ چناں چہ بہت سی مرتبہ مکان مالکان موقع کی نزاکت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے،بلڈنگ والے مکان کو فروخت کرکے، فلک بوس ٹاور میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ ہوا یہ کہ "حاجی صاحب مرحوم" سے ان کے رشتہ دار نے کہا، کہ اس مکان کو فروخت کرکے،"ناگپاڑہ، پولیس ہاسپٹل، ممبئ" کے پاس ٹاور میں 3فلیٹ لے لیتے ہیں۔ "حاجی صاحب مرحوم"نے کہا:کہ اس مکان میں میرے حضرت آیا کرتے تھے۔ لہذا جانے دیں اور "حاجی صاحب مرحوم" اپنی آخری سانس تک اسی قدیم مکان میں

رہے۔ یہ ان کی عقیدت تھی، کہ اپنے مکان کو فروخت کرنا گوارا نہ کیا۔
(2) بعد نماز تراویح قاری محبوب اللہ صاحب، رکن شوریٰ ریاض العلوم گورینی و امام "نور مسجد ڈونگری ممبئی" اور کاتب قرآن مجید، "کاتب مولانا قاری غیاث الدین صاحب کے ہمراہ، نماز جنازہ میں شرکت کے لیے، "بڑا قبرستان، میرین لائن ممبئی" جب ہم پہونچے، تو جنازہ بالکل تیار تھا۔ جیسے ہی "حاجی صاحب مرحوم" کے رشتہ دار اور متعلقین نے بندہ کو دیکھا، بیک زبان سب نے کہا، کہ آپ جنازہ کی نماز پڑھائیں، کیوں کہ آپ اسی گھرانے کے ہیں۔ مزید یہ کہ مذکورہ دونوں بزرگوں نے پرزور تائید کردی۔ تو میں نے کہا: کہ "قاری محبوب اللہ صاحب" کی نسبت اونچی ہے، یہ پڑھائیں گے۔ باالآخر قاری صاحب نے نماز جنازہ پڑھایا۔ اور تدفین وغیرہ سنت کے مطابق ہوئی۔ یہ "حاجی صاحب مرحوم" کی عقیدت کا ثمرہ ہی تھا، کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد، آخری امور ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ طے پائے، جن کا تعلق "حضرت مرشد امتؒ" سے اب تک ہے۔ کیوں کہ "کاتب غیاث الدین صاحب" نے قبر کو کوہان نما بنایا، پانی چھڑکا، سنت کے مطابق فاتحہ وغیرہ پڑھا اور پھر واپسی ہوئی۔ یہ بات اس لیے بھی اہم ہے، کہ "ممبئی" میں، بدعات کے غلبے کی وجہ سے، ایسے موقع پر عموماً خلاف سنت امور کام کردیے جاتے ہیں اور سنت نبوی کی رعایت کم ہوپاتی ہے۔
حاجی صاحب مرحوم پر اپنے شیخ کا ایک اور اچھا اثر، لاک ڈاؤن ،میں مکمل تنخواہ "حاجی صاحب مرحوم" کے یہاں تقریبا کل چار ملازمین کام کرتے ہیں۔ لاک ڈاؤن کے زمانے میں ایک رشتہ دار نے کہا، کہ بازار میں ملازمین کی تنخواہ آدھی کردی گئ

ہے۔ آپ بھی کردیں۔ ”حاجی صاحب مرحوم“ نے کہا: کہ اللہ دینے والا ہے۔ اس نے ہمیں سبب بنایا ہے۔ ہم دے رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے،تو مبالغہ نہ ہوگا، کہ آپ پر، یہ اپنے شیخ کا ہی اثر تھا۔ کیوں کہ ”حضرت مرشد امتؒ“ تنخواہ کے سلسلے میں بہت فیاض تھے اور خوب خیال رکھنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے، کہ ”ریاض العلوم جون پور“ میں تنخواہ ہمیشہ وقت سے پہلے ادا کرجاتی ہے۔ اور نور علی نور، جب لاک ڈاؤن کے زمانے میں بہت سے ادارے والوں نے، اپنے اساتذہ، اسٹاف وغیرہ کو تنخواہ دینا بند کردیا۔ کتنے اداروں کے پاس پیسے تھے، جو اس مشکل گھڑی میں ساتھ دے سکتے تھے اور اخلاقاً دینا چاہیے تھے، لیکن افسوس صد افسوس انھوں نے موقع پاکر اساتذہ تک کو نکال دیا، ایسے حالات میں بھی، ”ریاض العلوم گورینی“ نے اپنے تمام اساتذہ وغیرہ کو پوری پوری تنخواہ دے کر، ماہانہ تقریباً پچیس لاکھ دے کر، تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور تاریخ کے صفحات میں اپنا مقام بنالیا ہے؛ جس میں والد محترم ”حافظ ابوبکرصاحب“ رعاہ اللہ و حفظہ اللہ کا بھی بڑا اہم رول ہے، جو کبھی موقع کی بہ نسبت سے ان شاءاللہ پھر کبھی۔

حاجی صاحب اور حاجی کا لقب

”حاجی صاحب مرحوم“ اس بات کےلیے بجا طور پر مستحق ہیں، کہ ان کو اس خاص لقب سے یاد کیا جائے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی زندگی میں کل تقریبا 44 حج کیے۔ 1974ء میں پہلا حج اپنے شیخ کے ساتھ کیا اور اس کے بعد سے مسلسل یہ سلسلہ تادم مرگ چلتا رہا۔ درمیان میں ایک سال 1978ء میں حج کے لیے نہ جاسکے۔ لاک ڈاؤن سے تھوڑا سا پہلے عمرہ پر گئے ہوئے تھے، اور وہیں لاک ڈاؤن میں بھی حج کی سعادت ملی۔

آخری ایام اور وفات

لاک ڈاؤن میں چوں کہ تقریباً چھ ماہ ''سعودی عرب'' میں رکنا پڑا اور وہاں پیروں میں سوجن آگئی۔ لاک ڈاؤن کے ختم پر، وطن واپس تشریف لائے۔ اور پھر گویا کہ معذور ہوگئے تھے اور چلنا پھرنا مشکل ہوگیا تھا۔ جس کا علاج جاری رہا۔ انتقال سے کچھ دن قبل سے ہی آخرت کا ذکر کرنے لگے تھے۔ ان کے بھائی کے بقول شام میں ملاقات کے لیے جاتا، تو بس ایک ہی موضوع ہوتا، کہ سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے، ایمان کی دولت بچاکر لے جانا ہے۔

سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا، لیکن چوں کہ وقت موعود قریب آرہا تھا، اس لیے، بیماری بڑھ گئی۔ علاقے کے ہاسپٹل میں جگہ نہیں ملی، تو ''حبیب ہاسپٹل کرلا'' میں ایڈمٹ کیے گئے اور پھر 4/ مئی 2021 ء مطابق 21 رمضان المبارک 1442ھ کو شام تقریبا پانچ بجے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اور پھر اسی دن بعد نماز تراویح ''بڑا قبرستان ممبئی'' میں تدفین عمل میں آئی۔

واقعی ''حاجی صاحب مرحوم'' ممبئی کی ایک نرالی شخصیت تھی،بہتوں نےتو انکو یہاں پہچانا تک نہیں اور ''حاجی صاحبؒ'' ان سے یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

جیتے جی قدر میری کسی نے نہ کی، زندگی بھی میری بے وفا ہوگئی
دنیا والو مبارک یہ دنیا تمہیں، کر چلے ہم سلام آخری آخری

اللہ تعالیٰ ''حاجی صاحب مرحوم'' کی مغفرت فرمائے۔ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ ان کی لغزشات کو معاف فرمائے۔ سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔ صدیقین، شہداء، صلحاء اور متقیوں کے ساتھ حشر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطافرمائے۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین

مقدمہ بر ,,سرگزشتِ حیات،، خود نوشت مولانا ابواللیث خیرآبادی

بقلم :- مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (عرف حاجی بابو)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ بیتی یا خود نوشت سوانح اس خاص فن نگارش کو کہتے ہیں جس میں لکھنے والا اپنی ذات کو سامنے رکھ کر ان تمام احوال وکوائف ،افراد وشخصیات ،سماج ومعاشرہ اور ماحول ومقام کا ذکر کرتا ہے جو اس کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں مؤثر رول ادا کرتے ہیں ، وہ ان تمام واقعات وکیفیات سے قاری کو آگاہ کرتا جاتا ہے جن سے مختلف احوال ومواقع پر وہ دوچار ہوارہتا ہے ، کہ کس چیز یا شخصیت نے اس پر مثبت اثر ڈالا اور کس چیزنے منفی ؟ پھر اس کی زندگی کے نشیب وفرازنے زندگی کا رخ متعین کرنے میں کیا کردار ادا کیا؟ ان تمام باتوں کو وہ قارئین کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ اب وہ اس کی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرلیں کہ وہ اچھی ہے یا بری، کامیاب ہے یاناکام، لائق اتباع ہے یا قابل رد؟

گزشتہ پون صدی میں اردو زبان میں بھی بکثرت آپ بیتیاں لکھی گئیں ، جو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھی گئیں ، اور ان سے ہر ایک نے بقدر ظرف فائدہ اٹھایا ۔ نہ جانے ان کو پڑھ کر کتنی زندگیوں میں تبدیلی آئی اور کتنے شکستہ حوصلوں میں جان پیدا ہوئی۔ لکھنے والوں میں علماء ومشائخ ، شعراء وادباء ، سیاستداں وسرکاری عہدیداراور جاگیردار وزمیندارہر طبقہ کے لوگ ہیں ۔مشہور زمانہ رسالہ ”نقوش “ لاہور کا دوضخیم جلدوں میں ”آپ بیتی نمبر“ توبہت مشہورہوا، جواِس موضوع پر بہت اہم دستاویزہے۔

اب تواس موضوع پر نہ جانے کتنی پی ایچ ڈی ہوچکی ہے،اور کتنی کتابیں اور خصوصی نمبرات نکل چکے ہیں ۔

آپ بیتیوں کی افادیت ایک ایسی مسلم چیز ہے جس سے انکار مشکل ہے۔ یہ آپ بیتیاں کسی عظیم ہستی اور مشہور شخصیت کے مکمل تعارف ، اس کے مزاج ونظریہ اور پسند ورجحان کے جاننے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں ، یہ شخصیت کو بنانے ، کردار کو سنوارنے اور زندگی کی راہ متعین کرنے میں اور کسی کو اسوہ ونمونہ بناکر زندگی کا سفر طے کرنے میں بہت معاون ہوتی ہیں، خاص طور سے جب وہ کسی ایسے شخص کے قلم سے ہوں جو ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اور اس کا کوئی خاص خاندانی پس منظر نہ ہو، اس کی سیرت وشخصیت کی تکمیل میں خود اس کی اپنی ذاتی محنت وکوشش اور جد وجہد کا دخل ہو، ایسی آپ بیتیوں کو پڑھ کر ایک عام انسان اور طالب علم کے اندر بھی یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے جیسا ایک عام انسان اپنی ذاتی محنت وکوشش سے علم وفضل کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے تو ہم بھی اگر ویسی ہی محنت وجانفشانی سے کام لیں تو ہم کیوں وہاں تک نہیں پہنچیں گے، یہ چیز اس کے جذبۂ عمل کو بیدار کرتی ہے اور اس کے حوصلوں کو مہمیز کرتی ہے ۔جیسے ہمارے دور میں مولاناقاضی اطہر مبارکپوری ، مولانا عبدالرحمن حیدرآبادی، احسان دانش اور استاذی مولانا اعجازاحمد اعظمی وغیرہ کی آپ بیتیاں، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کاوش سے اپنا مقام بنایا۔

آپ کے سامنے جو ’’ سرگزشتِ حیات ‘‘ ہے ، وہ بھی ایک ایسے ہی شخص کی داستان حیات ہے جو ایک گاؤں ،دیہات میں ایک عام گھرانے میں پیدا ہوا ۔ گاؤں

کے عام بچوں کی طرح مکتب میں بٹھادیا گیا ، جہاں عام بچوں کی صحبت سے متاثر ہوکر اس نے مکتب سے بھاگنے کی ہر ممکن کوشش کی ، لیکن توفیق الٰہی اس کی دستگیری کرتی رہی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے مکتب میں پہنچاتی رہی۔ اسی دوران اس کی والدہ کے انتقال نے اس کی طبیعت پر غیر معمولی اثر ڈالا،اور اس کی طبیعت کا رخ بدلنا شروع ہوا ، اس کی والدہ اسے نصیحت کیا کرتی تھیں کہ ۔" بیٹا! شرارت نہ کیا کرو ، خوب محنت سے پڑھو ، تمہیں بہت بڑا مولانا بننا ہے"۔ماں کی زندگی میں تو اس نصیحت کا اس پر کوئی خاص اثر نہ ہوا ، لیکن جیسے ہی ماں کا ساتھ چھوٹا اس معصوم بچے نے اس کی نصیحت کو گرہ سے باندھ لیا ، اور پھر پیچھے مڑکر نہیں دیکھا ۔ تعلیمی سلسلہ میں وہ مرادآباد، دیوبند اور تدریسی سلسلہ میں مالیگاؤں اور سرائے میر میں رہا،لیکن جہاں رہا اپنی محنت وکوشش اور شرافت نفس کی وجہ سے نیک نام وبلند بام رہا، اس کی تعلیم وتربیت سے طلبہ ہمیشہ مطمئن رہے۔

اس کا دور طالب علمی اور زمانۂ تدریس دونوں قدرے تنگی وترشی میں گزرے ، اس نےاس تنگی کےدورہونے کے لئے بارگاہ الٰہی میں بڑے الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں کیں جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ومستجاب ہوئیں ۔ تقدیر الٰہی نے بغیر کسی سان وگمان کے اسے بسلسلۂ تعلیم مدینۃ الرسول ا میں پہنچادیا۔جہاں سے اس کی زندگی کا ایک نیاباب مفتوح ہوتا ہے، یہاں اسے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل ہوئی اور معاشی آسودگی بھی۔ یہاں بھی یہ شخص اپنی غیر معمولی جد وجہد کی بدولت پوری یونیورسٹی میں ممتاز ونیک نام رہا ، اوراس کا تعلیمی ریکارڈ اور اخلاق وکردار نہایت روشن اوربے داغ رہا۔ مدینۃ الرسول کے بعد بخت کی نصیبہ وری نے اسے بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ پہنچادیا ۔

۱۳، سال وہاں رہ کرجب جامعہ ام القریٰ سے یہ شخص نکلا تو دنیاوی تعلیم کے اعتبار سے سب سے اہم اور اعلیٰ سند ''ڈاکٹریٹ'' کا حامل تھا ، اس نے یہاں بھی اللہ کے فضل وکرم اور اپنی کوشش وکاوش سے ممتاز پوزیشن کے ساتھ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ۔

آپ نے پہچانا ،خیرآباد کی خاک سے اٹھنے والا یہ معمولی دیہاتی وقصباتی طالب علم جس نے تعلیم وتدریس کے مختلف مراحل سے گزر کر جامعہ ام القریٰ سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ، اور اپنی محنت وکوشش سے علمی دنیا میں اپنی ایک پہچان وشناخت بنائی، کون ہے؟ یہ ہیں مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب خیرآبادی قاسمی پروفیسر واستاذ کرسی اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، کوالالمپور، ملیشیا۔

مولانا موصوف علم حدیث کی خدمات کے سلسلہ ہیں علمی دنیا میں ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں، اس موضوع پر ان کی ایک درجن کے قریب کتابیں شائع ہوکر اس فن کے ماہرین سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ عمر ستر سال سے زائد ہوچکی ہے ، اس پیرانہ سالی کے باوجود کوئی نہ کوئی علمی سلسلہ جاری ہی رہتا ہے ، اس وقت امام قرطبیؒ کی ایک اہم کتاب ''التذکرۃ بأحوال الموتی وأمور الآخرۃ'' پر تحقیق ودراسۃ کا کام انجام دے کر پریس کے حوالہ کرچکے ہیں۔تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب جلد ہی قارئین کے سامنے ہوگی۔ انھیں خدمات علمیہ کی وجہ سے بورنائی ، ترکی ، کویت، امریکہ وغیرہ کی یونیورسٹیاں انھیں محاضرہ کے لئے مدعو کرتی رہتی ہیں ۔

مولانا سال میں ایک مرتبہ ایک ماہ کے لئے اپنے وطن خیرآباد تشریف لاتے ہیں،

کہتے ہیں کہ یہ سفر صرف اعزا واقربا واہل تعلق حضرات سے ملاقات کے لئے ہوتا ہے ، ایک ماہ وطن میں رہ کر سال بھر کے علمی مشاغل کے لئے چارج ہوجاتا ہوں۔اس ایک ماہ میں ان کے علمی مشاغل نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، قیام وطن کے دوران اعزا واقربا سے ملاقاتیں ہوتی ہیں ، دوست احباب کے ساتھ پُرلطف مجلسیں ہوتی ہیں، دعوتیں ہوتی ہیں ، ناؤونوش کا دور چلتا ہے۔وطن کے قیام میں صبح کی تفریح مولانا کے لئے لازمۂ حیات ہے،اور میں بھی اس کو ضروریاتِ زندگی میں سے شمار کرتا ہوں، اس تفریح میں تقریباً روزانہ ہی ملاقات ہوتی ہے اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع ملتا ہے۔

مولانا سے شناسائی اس وقت سے ہے جب سے شعور کی آنکھیں کھلی ہیں ،مولانا اس خود نوشت میں اپنے پہلے حج کے بارے میں لکھتے ہیں :

"اس سال میرے قصبہ خیرآباد سے میرے انتہائی قریبی دو آدمی ہوائی جہاز سے حج کے لئے تشریف لائے تھے، مجھے ان کی تلاش بھی تھی۔ ایک حاجی صغیر احمد صاحب گرہست، اور دوسرے حاجی عبد الرحمن صاحب ، دونوں حضرات اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ تھے، حاجی عبدالرحمن صاحب اپنے سب سے چھوٹے ۱۴ ماہ کے بیٹے ضیاء الحق(عرف حاجی بابو) کو بھی ساتھ لے کرحج پر آئے تھے، اس طرح حاجی بابو میرے پہلے حج کے ساتھی ہیں، اور آج اس داستان سرائی کے اصل محرک وہی ہیں جیسا کہ میں اس کی تمہید میں لکھ چکا ہوں"۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے بچپن میں جب مولانا مکہ مکرمہ سے آتے تھے تو والدین سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے۔میں نے ابھی حال میں مولانا سے

پوچھ لیا کہ آپ سے ہمارا کوئی خاندانی یا رشتہ داری کا تعلق نہیں ہے ، پھر کیوں آپ سے اتنا قرب ہے ، تو انھوں نے بتایا کہ" ہمارے گھرانے سے ان کا بہت قدیم تعلق ہے ،وہ بچپن میں دادی جان کے پاس ہمارے گھر بکثرت آتے تھے ، ہماری سگی پھوپھی (مرحومہ حبیب النساء) کی نسبت ان کے چھوٹے چچا ظہیر الدین مرحوم کے ساتھ طے تھی بلکہ نکاح بھی ہوچکا تھا ، لیکن رخصتی سے پہلے چیچک کے عارضہ کی وجہ سے پھوپھی کی بینائی جاتی رہی،اور رخصتی عمل میں نہ آسکی اور میرے شعور سے پہلے ہی پھوپھی کا انتقال ہوچکا تھا۔" مولانا نے کہا کہ رشتہ داری اور تعلقات تو تھے ہی ،شاید یہ اسی کا اثر ہو۔یہ داستان تو مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئی ، مولاناکا میرے ساتھ غیر معمولی شفقت وکرم کا معاملہ اس سے بہت پہلے سے ہے، بہر حال میرے دل میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

علمی دنیا میں ایک بلند مقام رکھنے کے باوجود مولانانہایت خلیق ومتواضع انسان ہیں،ایثار وقربانی اور جود وسخا کا خاص جذبہ قدرت کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے کمالِ علمی کے ساتھ ساتھ دولت وثروت سے بھی بہرہ ور فرمایا ہے اسی کے ساتھ اس کو خرچ کرنے کا حوصلہ وظرف بھی دیا ہے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ طبیعت میں ظرافت وبذلہ سنجی خوب ہے ، اس لئے ان کی مجلس میں کبھی بوریت نہیں ہوتی ، ہر وقت ہنستے ہنساتے رہتے ہیں ۔خیرآباد کے قیام کے دوران اس قدر سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ رہتے ہیں کہ دیکھنے والا کسی انٹرنیشنل یونیورسٹی کا پروفیسر تو دور کی بات ہے شاید عام مولوی بھی نہ سمجھے، لیکن جب کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں تو اس وقت مخاطب محو حیرت ہوکر رہ جاتا ہے کہ یہ

عام سا آدمی اچانک کیسے پروفیسر اور استاذ حدیث ہوگیا۔تمام تر علمی رفعت وبلندی کے باوجود مولانا ایک سادہ سی زندگی بسر کرتے ہیں ، اور ہر شخص ان سے ملنے اور بات کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پاتا ہے۔

مولاناموصوف اور راقم الحروف کا وطن خیرآباد ہے ، یہ خیرآباد ضلع مئو (سابقہ ضلع اعظم گڑھ) کا ایک قصبہ ہے ، یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ قدیم کتابوں میں جس خیرآباد کا ذکر ملتا ہے اور منطق وفلسفہ کی طرف منسوب خاندان جس کے نامور علماء میں علامہ فضل امام خیرآبادی ، ان کے صاحب علم وفضل فرزند علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ ہیں ، وہ خیرآباد لکھنؤ کے قریب ضلع سیتاپور میں واقع ہے ۔

یہ قصبہ شہر اعظم گڑھ سے ۲۰، کلومیٹر دور بجانب مشرق اور مئو شہر سے بھی تقریباً اتنی مسافت پر بجانب مغرب مئو اعظم گڑھ ہائی وے پر اتر کی جانب واقع ہے ۔ یہ ایک خوشحال مسلم اکثریتی قصبہ ہے ، جس کی آبادی چالیس پچاس ہزار کے قریب ہوگی ۔ یہاں آبادی کے آثار تو آج سے چھ سات صدی پہلے سے ملتے ہیں ، لیکن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ آبادی کو آج سے تقریباً چار سو سال پہلے راجہ خیر اللہ شاہ(متوفی:۷، رجب ۱۱۲۸ھ /۲۷، جون ۱۷۱۶ء) نے بسایا ہے ۔اس وقت سے یہ قصبہ مسلسل آباد چلا آرہا ہے۔

موجودہ وقت ہیں یہ نہایت آباد اور پُررونق قصبہ ہے ،یہاں متعدد دینی وعصری تعلیمی ادارے ، کئی درجن مساجد ،چار پبلک لائبریریاں اور دو کھیل کے گراؤنڈ ہیں ۔ یہاں علماء وحفاظ کی کثرت کے ساتھ اچھی خاصی تعداد جدید تعلیم یافتہ حضرات

کی بھی ہے ۔ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی مدظلہ صدر شعبہ افتاء دارالعلوم دیوبند کا تعلق اسی گاؤں سے ہے ۔

یہ آپ بیتی کیسے لکھی گئی؟ کچھ گفتگو اس پر کرکے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ رفیق مکرم مولانا عبد اللہ خالد نے آٹھ دس سال پہلے خیرآباد کی تاریخ پر کچھ کام شروع کیا تھا ، ۴۸، صفحات پر مشتمل اس کا ابتدائی خاکہ انھوں نے ۲۰۱۲ء میں شائع بھی کردیا تھا ، جس میں انھوں نے اپنے منصوبوں کی تفصیل بھی لکھی تھی کہ کتاب دوحصوں پر مشتمل ہوگی ۔ پہلا خیرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہوگا،اور دوسرے حصہ ہیں یہاں کے علماء ودانشوروں کاتذکرہ ہوگا۔ لیکن ان کی مصروفیات کی وجہ سے اب تک اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ ایک روز اس کا ذکر مولانا ابواللیث صاحب کے سامنے ہوا ، انھوں نے کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ کام مکمل ہونا چاہئے ، پھر انھوں نے اور مولانا ضیاء الدین صاحب نے مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ کتاب کا دوسرا حصہ یعنی تذکرہ علماء و دانشوران خیرآباد میں لکھوں۔ چنانچہ میں نے اس پر کام شروع کیا ، دوران تحقیق کہیں کہیں مواد کی عدم دستیابی سے میری طبیعت بہت متاثر ہوئی، گاؤں کے بعض معروف علماء کے سن فراغت کی تلاش میں دانتوں تلے پسینہ آگیا ، چونکہ اس کام سے مولانا کو بے حد دلچسپی تھی اور وہ روزانہ میرے کام کی رپورٹ لیتے تھے۔ ایک روز میں نے ان سے کہا کہ ان علماء کی بے نیازی کا حال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے بارے میں ایک سطر بھی نہیں چھوڑی ہے کہ اس کی روشنی میں آگے کا سفر طے ہو،اور آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ ملک سے باہر گزرا ہے ، آپ کے بارے میں آئندہ نسلوں کا تو خدا حافظ ہے،موجودہ نسل کو بھی کچھ

نہیں معلوم ہے،چونکہ آپ کا سارا کام عربی میں ہے ، اس لئے اس ہیں‌سے جو تعلیم وتعلم اور مدارس سے مربوط ہیں وہ بھی اجمالاً بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ مولانا ملیشیا کی ایک بڑی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور علم حدیث ان کا خاص موضوع ہے ، باقی اس فن میں مولانا کی کیاکچھ کاوشیں ہیں ، اس کی تفصیلات سے یکسر ناواقف ہیں، اس لئے آپ اپنے حالات کیوں نہیں قلم بند کردیتے ؟ مولانا نے میری بات سنی اور قدیم علماء کی روش کے مطابق ان کا جواب یہ تھا کہ میں کیا اور میرے حالات کیا کہ اسے لکھا جائے ، لیکن میں موقع بہ موقع ان سے اپنی بات کہتا رہا ، اخیر میں میں‌نے ۲۰، سوالات لکھ کر ان کو بھیجے جو تقریباً پوری حیات کو محیط تھے ، میں نے کہا کہ اپنے حالات نہ لکھیں ، کم ازکم ان سوالات کے جوابات ہی لکھ دیں ۔

میں جانتا تھا کہ مولانا صاحب قلم عالم ہیں ، ان کی بیسیوں کتابیں اور سیکڑوں مقالات اہل علم سے خراج تحسین حاصل کررہے ہیں ، جب ان کا قلم رواں ہوگا تو پھر مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی ، کیونکہ اس سے پہلے میں اپنے استاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کو دیکھ چکا تھا ، میں نے ان سے درخواست کی کہ اپنے مطالعہ کی داستان لکھ دیں، انھوں نے جب لکھنی شروع کی تو پھر وہ مکمل داستانِ حیات ہی بن گئی۔ یہی حال مولانا کا بھی ہوا ، جب انھوں نے سوالات کا جواب لکھنا شروع کیا تو پھر میری منشاء کے مطابق وہ خود نوشت بنتی چلی گئی ۔ مولانا مجھے میرے سوالات کا جواب لکھ کر بھیجتے رہے اور مجھے مکلف بنایا کہ مجھے اردو میں لکھنے کی عادت نہیں ہے ، تم اس کی ترتیب وتہذیب کرکے مجھے دکھاتے رہو ۔ ہر

ایک دو روز کے بعد مولانا اپنی لکھی ہوئی تحریر واٹس اپ پر بھیج دیتے اور میں اسے مرتب اور کمپوز کرکے ان کو بھیج دیتا، وہ اصلاح و تصحیح اور حذف واضافہ کے بعد مجھے واپس کردیتے۔ اس طرح تقریباً تین ماہ میں یہ کتاب مکمل ہوگئی ۔ اس کے بعد مکمل کتاب مولانا نے دوبارہ دیکھی ، اس کے بعد ان کے دوست ، مشہور شاعر وادیب استاذی مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی نے اس کا ایک ایک حرف پڑھ کر زبان وبیان کی خامیوں کو درست کیا ۔ اب مجھے اطمینان ہے کہ استاذ محترم کی نظر ثانی کے بعد یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔

میں اپنے مخدوم گرامی قدر مولاناڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری درخواست پر اپنے حالات زندگی تحریر کئے ، اس طرح ایک عالم ومحدث کی زندگی کے بیشتر گوشے ہمارے سامنے آگئے، بالخصوص مولانا کی تصنیفات ومقالات اور دیگر علمی کارناموں کی تفصیلات، جو مجھ جیسے بہت سے طالب علموں کے لئے مشعل راہ ہیں،اور اہل وطن بھی اس سے مولانا کی علمی رفعت وبلندی کا کسی قدر اندازہ کرسکیں گے ۔

مجھے اپنے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے اس کتاب کو شائع کرتے ہوئے بے حد مسرت ہورہی ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب بہت سی زندگیوں میں تبدیلی اور بہت سے حوصلوں میں توانائی کا سبب ہوگی ، اور اہل خیرآباد کو اس کتاب کے ذریعہ اپنے ماضی کی بہت سی گمشدہ کڑیاں بھی دستیاب ہوں گی۔اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع ومقبول بنائے اور مؤلف وناشر ودیگر معاونین کو بہترین اجر عطا فرمائے ۔آمین

ضیاء الحق خیرآبادی

۱۱؍ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴؍ مئی ۲۰۲۱ء دوشنبہ

ہمارے مسائل اور انکا حل

بقلم :- مولانا شاکر نثار المدنی

مسئلہ نمبر 51

مال تجارت کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال : دکان میں موجود وہ مال تجارت جن کا شمار اولڈ فیشن میں ہو جائے ایسے اموال کا بعض مرتبہ بکنا متعذر ہوجاتا ہے اور اگر بکتے بھی ہیں تو قیمت خرید سے کم قیمت پر، زکوۃ کا حساب لگانے میں اسطرح کے اموال کی قیمت کس طرح نکالی جائے. نیز اموال تجارت کی زکٰوۃ نکالتے وقت قیمت کا اندازہ قیمت خرید سے ہوگا یا قیمت فروخت سے۔ بینوا وتوجروا.

المستفتی. ڈاکٹر محمد یعقوب اعظمی ملیشیا

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : مال تجارت کی زکٰوۃ ادا کرتے وقت جو قیمت بازار میں ہواسی کا لحاظ کرکے زکٰوۃ ادا کی جائے گی، خواہ وہ قیمت خرید سے زائد ہو یاکم.(مستفاد: ایضاح المسائل /۱۰۵، ایضاح النوادر۲/۴۱، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۴۱)

عن الحسن في رجل اشترىٰ متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت ۔(المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة، ماقالوا فى المتاع يكون عندالرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن ۶/۵۲۶، رقم: ۱۰۵۵۹)

عن ابن جريج ، قال : سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته ۔

(مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمی۴/۹۷، رقم: ۷۱۰۵)

وفی المحیط یعتبر یوم الأداء بالإجماع وہو الأصح ۔ (شامی،کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم ، کراچی ۲/۲۸۶، زکریا۳/۲۱۱، ہکذا فی الہندیہ ، کتاب الزکاۃ،الباب الثالث الفصل الثاني فی العروض زکریا۱/۱۸۰، جدید ۱/۲۴۱، بدائع ، کتاب الزکاۃ، صفۃ الواجب فی أموال التجارۃ زکریادیوبند۲/۲۱۱).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند--------

15 - 9 - 1439ھ 31 - 5 - 2018م الخميس۔

مسئلہ نمبر 52

گندگی کی وجہ سے پرندوں کے گھونسلوں کو توڑنا

سوال : ہماری دکان کے سامنے برآمدے کے وپر پرندوں نے گھونسلہ بنا رکھا ہے

اور روزانہ انکی بیٹ اس قدر ہوتی ہے کہ نیچے فرش گندا ہوجاتا ہے .کیا محض اس لئے انکے گھونسلوں کو نیست و نابود کیا جاسکتا ہے جبکہ اس میں بچے بھی ہیں. بینوا توجروا.

المستفتی: ڈاکٹر محمد یعقوب اعظمی ملیشیا

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : تعلیمات نبوی میں قدم بقدم جانوروں کے ساتھ رحم وکرم کاحکم دیا گیا ہے، صرف گھریلو اور پالتو جانور ہی نہیں؛ بلکہ غیر پالتو جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید ہے ، نقصان دہ اور ضرر رساں جانوروں کو بھی کم مار میں مارنے کا حکم ہے؛ حتی کہ حلال جانوروں کو ذبح کرتے وقت تیز چھری کے استعمال کا حکم دیا گیا تاکہ بآسانی اس کی جان نکل سکے.
اسی طرح جانوروں کو بے جا تکلیف دینے کے حوالے سے بہت کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، لیکن انسان کی جان و مال کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے حتی کہ جان ومال کی حفاظت کے لئے کسی انسان کی جان لینے تک نوبت پہنچ جائے تو حدیث مبارکہ میں اس کی بھی اجازت دی گئی ہے لہذا صورت مسئولہ میں ان پرندوں کے گھونسلوں کو توڑنے کی شرعاً گنجائش ہے بہتر یہ کہ بچے اڑنے کے قابل ہوجائیں تب گھونسلوں کو توڑا جائے اور اس کے بعد ایسی جگہوں پر کیل یا کوئی ایسی چیز لگا دی جائے تاکہ وہاں دوبارہ گھونسلہ نہ بناسکیں.

عن أبي هريرة قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي قال فلا تعطه مالك قال أرأيت إن

قاتلني قال قاتله قال أرأيت إن قتلني قال فأنت شهيد قال أرأيت إن قتلته

قال هو في النار (رواه مسلم).

وعن شداد بن اوس رضی الله تعالى عنه عن رسول الله قال: ان الله تبارک

وتعالی کتب الاحسان علی کل شیء، فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة، واذا ذبحتم

فاحسنوا الذبح، وليحد احدكم شفرته، وليرح ذبيحته. (رواه مسلم).

عن ابن عمر رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم لعن من اتخذ شيئاً

فيه الروح غرضاً. (متفق عليه).

وعن سهيل بن الحنظلية رضی الله تعالی عنه قال: مر رسول الله ببعير قد

لحق ظهره ببطنه، فقال: اتقوا الله فی هذه البهائم المعجمة، فاركبوها

صالحة، واتركوها صالحة. (رواه ابوداؤد).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاکر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند--------

16 - 9 - 1439ھ 1 - 6 - 2018م الجمعة---

مسئلہ نمبر 53

مدارس کے سفراء کا زکوۃ کی رقم سے سفر میں خرچ کرنا جائز نہیں

سوال : کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کیا سفراء حضرات چندہ میں زکوۃ کی وہی رقم رقم جمع کریں جو زکوۃ دہندہ نے دی ہے مطلب اگر وہ زکوۃ کی رقم اپنے ذاتی ضرورت میں خرچ کردیں اور پھر جمع کرتے وقت اپنی تنخواہ میں اتنی رقم وضع کرادیں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی : منصور احمد قاسمی پوٹریاں جون پور

الجواب بإسم الملهم للصدق والصواب : مدارس کے سفراء صرف زکٰوۃ پہنچانے کے وکیل اور امین ہیں، لہٰذا اس رقم سے وہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرسکتے، اور اگر خرچ کریں گے تو ضامن ہونگے، اب زکوۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ جس کی زکوۃ تھی اس کو اطلاع کردے کہ میں نے تمہاری دی ہوئی رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرلی ہے، اب میں تمہاری طرف سے اتنی ہی رقم وعدہ کے مطابق اپنے مال سے بطور زکٰوۃ دینا چاہتاہوں تواگر وہ دوبارہ اجازت دیدے تو زکٰوۃ ادا ہوجائیگی ورنہ نہیں۔ (مستفاد: محمود ڈابھیل ۹/۴۹۱).

قال تعالی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

(النساء: 58).

ولو تصدق أی الوکیل بدفع الزکاۃ (إلی قوله) إذا أمسک دراہم الموکل ودفع من ماله لیرجع ببدلها فی دراہم الموکل صح بخلاف ما إذا أنفقها أولا علی نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع ۔ (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/۲۶۹، زکریا۳/۱۸۹)

وفی العیون رجل دفع إلیٰ رجل عشرۃ دراہم لیتصدق بها فأنفق بها علی نفسه وتصدق بعشرۃ من مال نفسه عن الآمر لم یجز وفی الخانیة : ویکون ضامناً للعشرۃ ولوکانت الدراہم عنده قائمة فلم یتصدق بها، وتصدق بغیر ہا جاز استحساناً وفی الخانیة : ویکون العشرۃ له بعشرته۔
(تاتار خانیہ ، کتاب الوکالۃ، الفصل التاسع فی التوکیل بالإنفاق زکریا۱۲/۳۱۲، رقم المسئلۃ رقم:۱۷۵۹۳، ہندیۃ ، کتاب الوکالۃ ، الباب العاشر فی المتفرقات زکریا۳/۶۴۴).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاکر نثار المدني القاسمي غفرله

استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند-------

16 - 9 - 1439ه 1 - 6 - 2018م الجمعة---

مسئلہ نمبر 54

پھوپھی کو زکوۃ دے سکتے ہیں

سوال : کیا زکاۃ کی رقم پھوپھی کو دی جا سکتی ہے؟

المستفتی: محمد زید ممبر پاسبان علم وادب

الجواب باسم الملھم للصدق والصواب: جی زکوۃ کی رقم پھوپھی کو دینا جائز ہے، بلکہ اصول وفروع کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو زکوۃ دینے میں ڈبل ثواب ہے، ایک زکوۃ کی ادائیگی کا، دوسرے صلہ رحمی کا۔

عن سلمان بن عامر الضبي رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : الصدقة علی غیر ذی الرحم صدقة ، وعلی ذی الرحم اثنتان ، صدقة وصلة ۔

(المصنف لابن أبي شيبة ، الزكاة ، ما قالوا فی الرجل یدفع زكاته إلیٰ قرابته ۴۴، ۵۴۵، رقم: ۱۰۶۴۳) مؤسسه علوم القرآن.

کما فی الشامی، وقید بالولاد لجوازہ لبقیة الأقارب کالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل ہم أولیٰ لأنہ صلة وصدقة الخ۔

(شامی، کتاب الزکاۃ، با المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۳، کراچی ۲/۳۴۶).

ہذا ما ظہر لي واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حررہ العبد محمد شاکر نثار المدني القاسمي غفرله
استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية
بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند۔۔۔۔۔۔۔
16 - 9 - 1439ھ 1 - 6 - 2018م الجمعة۔۔

مسئلہ نمبر 55

اپنی کفالت میں رہنے والی بہن کو زکوۃ دینا

سوال : کنواری بہن جس کا خرچ ھمارے ذمہ ھو کیا اسکو زکٰوۃ کی رقم دینے سے زکٰوۃ ادا ھوجائے گی ؟

المستفتی حافظ عبد اللہ قاسمی چورسنڈ جون پور

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : زکوۃ کی رقم سے زکوۃ دینے والے کو فائدہ اٹھانا جائز نہیں، اسی طرح ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں خرچ کرنا پہلے سے ضروری ہو ناجائز ہے کیونکہ اس طرح اپنے مال کی حفاظت ہوتی ہے حالانکہ صاحب نصاب کو اپنے مال کا ڈھائی پرسنٹ غریبوں کو دینا ضروری ہے؛ لہذا ایسی بہن جو اپنی کفالت میں ہو اس کو زکوۃ کی رقم دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی.

نوٹ : ایسی بہن اگر مقروض ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے.

قال اللہ تعالی: إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡعَٰمِلِينَ عَلَيۡهَا وَٱلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمۡ وَفِي ٱلرِّقَابِ وَٱلۡغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِۖ فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٞ [التوبة:60].

قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: فإذا كان الأقارب ممن [لا] تجب نفقاتهم كانوا أولى بالزكاة من الأجانب البعداء سواء كان يتطوع بالنفقة عليهم أم لا. (الحاوي الكبير 8 - 535).

وأشار إلى أن الدفع إلى كل قريب ليس بأصل ولا فرع جائز وهو مقيد بما في الولوالجية رجل يعول أخته أو أخاه أو عمه فأراد أن يعطيه الزكوة فإن لم يفرض القاضي عليه النفقة جاز لأن التمليك بصفة القربة يتحقق من كل وجه وان فرض عليه النفقة لزمانته إن لم يحتسب من نفقتهم جاز وان كان يحتسب لا يجوز لأن هذا أداء الواجب عن واجب آخر.

(البحر الرائق 2 - 217) بيروت.

قال الأستاذ أبو إسحاق الشيرازي في المهذب: «ولا يجوز دفع الزكاة إلى من تلزمه نفقته من الأقارب والزوجات من سهم الفقراء؛ لأن ذلك إنما جعل للحاجة، ولا حاجة بهم مع وجوب النفقة». انظر (المجموع للنووى 2 - 247).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفر له

أستاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير اعظم جره الهند-------

20 - 9 - 1439ه 5 - 6 - 2018 م الثلاثاء--

پاسبان اور الیکشن

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی

پاسبان علم وادب ایک ایسا واٹساپ گروپ ہے جس میں اراکین کے درمیان مختلف موضوعات پر مجادلہ نما مباحثہ یا مباحثہ نما مجادلہ ہوتا رہتا ہے، آج دو دنوں سے یوپی انتخاب کا موضوع زیر بحث رہا ،مختلف اراکین کی مختلف آراء سامنے آئیں، اس میں شک نہیں کہ یوپی میں آئندہ سال (2022 میں) اسمبلی الیکشن ہونے والا ھے،
یہ انتخاب ہندوستان کی سیاست میں کافی اہمیت کا حامل ہے، اس کے ساتھ ہی ملک بھرکے مسلمانوں اور سیکولرعوام کے لئے بڑی آزمائش کا مقام بھی رکھتا ھے۔
اس لئے ضروری ھے کہ الیکشن میں ایک بھی ووٹ ضائع نہ ھو ، ذات، مسلک اور کچھ ذاتی فائدے کے بنیاد پر ووٹ تقسیم نہ ھوں۔
اس بات سے کسی کو انکار نہیں ھے کہ اس وقت مسلمانوں کے گھر گھر میں لیڈر پائے جاتے ہیں لیکن ان میں کوئی ان کا ایسا رہنما اور قائد نہیں بن پاتا جو ان کی رہنمائی کر سکے۔
اس بنا پر پنچایت سے لےکر اسمبلی و پارلیمنٹ تک مسلم نمائندگی میں کافی کمی دیکھنے کو ملتی ھے۔
غور طلب ھے کہ اترپردیش میں مسلمانوں کی تعداد سرکاری سروے کے مطابق تقریبا 19%اور غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق 22%ہے۔
یہاں پارلیامانی حلقہ میں سے 53 اور اسمبلی نشستوں میں سے 312 حلقے ایسے ہیں

جہاں ان کا اثر و رسوخ ھے۔
ان میں کئ اسمبلی سیٹیں‌ایسی ہیں جہاں مسلمان اپنے مرضی کے مطابق زیادہ سے زیادہ مسلم و سیکولر ممبران اسمبلی میں بھیج سکتے ہیں اور
اس طرح ان کی مرضی کی حکومت تشکیل دی جا سکتی ہے۔
گزشتہ چند سالوں سے کئی مسلم پارٹیاں بھی میدان میں خم ٹھوک کر نکلی ہیں ان میں پیس پارٹی، علماء کونسل، مسلم مجلس، ،اتحاد ملت پارٹی اور ویلفیر پارٹی وغیرہ ۔
ظاہر ھے عین الیکشن کے وقت منظر عام پر آنے والی ان پارٹیوں سے مسلمانوں کا کچھ بھلا ہو یا نہ ہو لیکن بی جے پی کا بھلا ضرور ہوجاتا ھے یہی وجہ ھے کہ اکثر مسلم رہنماؤں کا نام بی جے پی کے ایجنٹ کے طور پر لیا جاتا ھے۔
گزشتہ انتخاب کا جائزہ لیں تو کہا جا سکتا ھے کہ اگر انتخاب سے قبل یہاں سیکولر پارٹیوں اور مسلمانوں کی پارٹیوں کے درمیا ن کوئی سمجھوتہ ھو جا تا تو انہیں وہاں کی سبھی نہیں تو اکثر سیٹیں حاصل ہوسکتی تھیں ۔
اس لئے تمام مسلم قائدین اور عوام سے اپیل ہے کہ اس بار انتخاب میں کس پارٹی اور کن امیدواروں کو منتخب کیا جاے اس کا فیصلہ عالمی انٹرنیشنل واٹساپ گروپ،، پاسبانِ علم وادب،، کرے گا آپ سبھی لوگ اس کی طرف سے سرکلر آنے کا انتظار کریں۔
شفیق قاسمی، اعظمی
29/06/2021

حظ وکرب، لذت والم کا علم خیز معرکہ

بقلم :- مولانا پھول حسن بیگوسرائے

بات جب زبان وبیان کی ہو،اصطلاحات علمیہ میں گڑبڑی کی ہو جس سے عوام کا زبان کے تیئں گمراہ ہوجانے کا خدشہ ہو وہاں مولانا آزادؒ جیسے ماہر زبان کہاں رک سکتے تھے، خواہ سامنے کوئی بھی ہو ۔

مولانا آزاد کا معاملہ ایسا تھا کہ وہ جلد کسی سے متاثر نہیں ہوتے تھے، ہاں ان سے جو ملا، سنااور دیکھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا،بچے کچے ہوتے ہیں لیکن مولانا کی بات ہی الگ تھی ان کی ذہانت وفطانت وقت کے بڑے بڑے دقاقوں کو حیران کر چکی تھی شبلی وحالی رحمہا اللہ بھی آپکی تحریر کو دیکھ کر متعجب تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ کوئی ماہر مشاق قلمکار ہوگا

ملاقات پر ماننے پر راضی نہیں کہ یہی آزاد ہیں ۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کی ملاقات جب مولانا آزاد سے ہوئی تو علامہ نے آپکی ذہانت کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ عجائب روزگار ہیں، مولانا آزاد کو بھی علامہ بوجہ ان کے علم وفضل عقیدت تھی۔

میں نے مولانا کو اب تک جتنا بھی کچھ پڑھا اس سے اندازہ ہوتا ہے اور ان کے معاصرین بھی لکھتے ہیں کہ آپ جلد کسی سے متاثر نہیں ہوتے تھے ۔

بات ایک علم خیز معرکہ کی کرنا تھی

ہوا یوں تھا

ایک مرتبہ مولانا عبد الماجد دریاآبادیؒ کی ایک تحریر پر مولانا آزادؒ نے تنقید کی اور لکھا کہ حظ وکرب کی جگہ لذت والم مناسب ہوگا یا حظ کی جگہ آپ دوسرا کوئی لفظ لے آئیں، بس پھر کیا تھا مباحثہ شروع ہوگیا اور مناظرہ کی شکل اختیار کر گیا اور یہ مباحث اتنا دلچسپ اور اور علم ریز ہے کہ مزہ آجاتا ہے۔

مولانا آزادؒ کا کہنا تھا کہ حظ کا معنی عربی وفارسی میں نصیب حصہ وغیرہ کے ہے اس لئے حظ وکرب کی ترکیب اصطلاحات علمیہ میں درست نہیں

اور مولانا دریا آبادیؒ اس کی دلیل میں اردو لغات کو پیش فرماتے تھے

میرے علم کے مطابق ہمارے نزدیک فرہنگ آصفیہ اردو لغت اور فارسی لغت میں غیاث الغات معتبر اور اہم مانا جاتا ہے

لیکن مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ ان لغات کا زبان اصطلاح میں کوئی اعتبار نہیں۔

جبکہ مولانا عبد الماجد دریا آبادی اس پر مصر تھے ۔

اس بحث میں مجھے محسوس ہوا کہ مولانا آزاد کی تنقید اتنا باوزن تھی کہ پہاڑ بھی اس کا تحمل نہ کر سکے ۔

مولانا آزاد اپنی باتوں میں مخلص، شفیق اور ایک ماہر استاذ نظر آتے ہیں چٹکی ایسی لیتے ہیں کہ آدمی بلبلا اٹھے ۔

وہیں مولانا دریا آبادیؒ کیا کچھ نہیں کہہ جاتے ہیں

مولانا آزادؒ کی وسعت ظرفی پر قربان جاؤں، کیا غضب کا ظرف پایا تھا آپ بالکل بھی مشتعل نہ ہوئے ۔بلکہ آپ مولانا دریا آبادی کی قابلیت کو اپنی تحریر میں تسلیم کر رہے تھے اور داد شجاعت دیتے رہے ۔

بعد کے دنوں میں مولانا دریا آبادی کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنی تحریر میں اس کا اقرار بھی کیا ہے ۔

یہ واقعہ انیس سو تیرہ کی الہلال کے زمانے کی ہے ۔

مولانا دریا آبادی مولانا کی زندگی اور ان کے وفات کے بعد اپنی بیشتر تحریروں میں مولانا کی خوبیوں اور ان کی خدمات کو خوب سراہا ہے

اور آپ کو ہمہ فنون کا ماہر تسلیم کیا ہے ۔

مولانا عبد الماجد دریاآبادیؒ کی تحریروں کو ابو سلمان شاہجہان پوری مرحوم کراچی جن کا فی الحال انتقال ہوا ہے مرتب کرکے یکجا شائع کیا ہے ۔

صاحب ذوق میں آتش شوق کو بھڑکانے کے لئے یہ سب لکھ گیا ۔

اور مجبوری تھی کہ سب چند دنوں میں پڑھا ہوں اس لئے ابال مار رہا تھا ۔

خود میں قابلیت دیکھتا ہوں نہ قلم میں وہ شعور پاتا ہوں لیکن اپنوں کے سامنے لکھنے سے کیا شرمانا اس لئے لکھ دیا۔

اے کاش

بقلم :- مولانا توقیر بدر آزاد

جماعت مسلمین کے پڑھے لکھے فرد میں "لا تجسسوا" کا واقعی احساس ہوتا "ولا یغتب بعضکم بعضا" کا شعور زندہ ہوتا! "شهادة زور" کی خطرناکی کا علم ہوتا! "والمرجفون فی المدینة" کے سیاق و سباق میں افواہ سازی، غلط بیان بازی اور پروپیگنڈے کی بھیانک سزا دینی و دنیوی کا اندازہ ہوتا ! تو آج یہ سب دیکھنے کو نہ ملتا.جو آج الگ الگ عناوین و اشکال میں دیکھنے کو جہاں تہاں ملتے ہیں۔

خیرجب نام نہاد علم و فضل کے دعویداروں پر دنیاوی مفاد کی چادر تنتی ہے اور مذکورہ تہدید و وعید سے غفلت و بے حسی عیاں ہوتی ہے،تو قدرت اپنا کام کرتی ہے.وہاں سے انتقام معنوی کا وہ نظم ہوتا ہے کہ الأمان الحفیظ!

سزا چند دو چند ہوتی ہے. جاہے عزت مقام ذلت میں تبدیل ہوتی ہے.جنہیں سردار ہونا چاہیے وہ غلاموں سے بدتر سلوک کے سزاوار ٹھہرائے جاتے ہیں ہر آن نام خدا نہ پکار کر وہ یا فلاں یا فلاں کی صدا و ندا لگاتا رہتاہے. اور اپنے سے زیر دست کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہوتا ہے شعوری طور پر ایسے کی زبان و بیان سے خالق و مالک کی شان کبریائی نہیں فانی و خائن کی دفاع و تعریف کا فوارہ چھوٹتا رہتا ہے. اور وہ آس پاس والے کو اپنا ہمنوا سمجھتا ہے جبکہ رب قدیر کا قہر کہیے کہ وہ ایسوں کو غبار راہ گذر سمجھ کرپائے حقارت سے ٹھکرانا بھی تضییع اوقات سمجھتے ہیں،کیونکہ وہ کان، آنکھ،دل دماغ رکھتے تو ہیں،مگر ان سے مطلوبہ ربانی کام نہیں لیتے گویا "اولئک کالانعام بل هم اضل "کا پورا پورا نمونہ نظر آتے ہیں.

انہیں سنبھالئے

بقلم :- مولانا حمزہ فضل اصلاحی

ان دنوں فیس بک اورو ہاٹس ایپ پر پرانے خطوط کے عکس گردش کررہے ہیں۔ان میں سے کچھ کوپڑھنا آسان ہوتا ہے جبکہ کچھ کو 'زوم' کرنے کے بعد بھی کچھ نہیں ملتا ہے۔ خط کا مضمون ہی پتہ نہیں چلتا ہے۔

خط کئی طرح کے ہوتےہیں۔ ادبی ، غیر ادبی اور ذاتی ... ذاتی میں سب سے مقبول رومانی خطوط ہی جو ہر عہد میں زیر بحث رہے ہیںبلکہ اس نوعیت کے خطوط کسی زمانے میں عشقیہ شاعری کی طرح پڑھے جاتے تھے ۔ ان کے مجموعے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے تھے ۔ ادبی او ر غیر ادبی ہر حلقے میں انہیں سرآنکھوں پربٹھایا جاتا تھا۔ یہاں صرف ادبی خطوط کا ذکر کیا جائے گا۔دراصل یہ وہ خط ہیں جو پرانے طاق سےنکلے ہیں۔ کتابوں کے ڈھیرمیں کہیں چھپے ہوئے تھے ۔ بہت سلیقے سے کہیں رکھے ہوئے تھے یا فائلوں کے ڈھیر میں دبے ہوئے تھے۔ اب انہیں جھاڑ پونچھ کر فیس بک کے حوالے کیا جارہا ہے ۔ ان خطوط پر نئے اور پرانے ہر زمانے کا قاری اپنے اپنے انداز سے تبصرے کررہا ہے۔ بہت سے خطوط ادبی رسائل کے مدیران کے بھی ہیں۔ انہیں پڑھ کر اندازہ ہوتاہے کہ اس زمانے میں ادبی رسالہ تیار کر نا آسان نہیں تھا۔ دوسرے لفظوں میں ادبی رسائل کے مدیر سہل پسند نہیں تھے ، وہ خود محنت کرتے تھے اور اپنے لکھنے والوں سے بھی اسی کی امید کرتے تھے بلکہ اصر ار کرتے تھے ۔ اس طر ح چھوٹے سے چھوٹے ادیب کو بھی مسلسل اصلاح کے ذریعہ بڑ ا بنایا جاتا تھا۔ اسے اپنی تخلیق مزید نکھارنے کامشورہ دیا جاتا تھا ، اس طرح چھان پھٹک کے ہی بعد کوئی تحریر رسالے کی

زینت بنتی تھی جس سے رسالے کا ایک اعتبار اوروقار ہوتا تھا ۔ اس میں چھپنے والے ادیب کا وزن ہوتا تھا ۔ ان خطوط سے بہت کچھ ملتا ہے لیکن یہاں صرف ایک پہلو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ ایک زمانے تک اردو ادب میں خط کی خاص اہمیت رہی ہے ۔ ادیب اسے سینت سینت کر رکھتے تھے اور پھر کچھ اسے جوڑ جوڑ کر کتاب کی شکل دے دیتے تھے ۔ ایسے بہت سے خطوط کے مجموعے اپنے عہد کا ادبی رجحان بیان کرتے ہیں ۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کیا اور کیسے لکھا گیا ؟

ان خطوط کو دیکھ کر میں اپنے بارےمیں سوچتا ہوں تو مایوسی ہوتی ہے۔ ہمارے عہد میں خط نہیں ہیں ۔خط ہوں نہ ہوں ، اس کا غم نہیں ہے۔ میرے خیال سے خطوط نہیں بلکہ ادبی خطوط کے مضمون کوسنبھالنا ضروری ہے۔ میل اور ای میل کے سفر میں ہمار ا یہ قیمتی سرمایہ ضائع ہورہا ہے۔ ادبی خطوط کے مجموعے کی طرح ہمارے ادبی مباحثے اور اِس عہد کےادبی رجحان کاکوئی دستاویزی ثبوت نہیں ہے۔ ادبی بحثیں فیس بک پر ہوتی ہیں ، وہاٹس ایپ کے گروپ یا انفرادی چیٹ میں ہوتی ہیں۔کسی لفظ یا اصطلاح پر مختلف ادیبوں یاماہرلسانیات کی قیمتی رائے تک ڈیجیٹل چہار دیواری میں قید ہوجاتی ہے ۔ انہیں محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے،کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے ادیبوں کے قیمتی تبصرے فیس بک اور وہاٹس ایپ کے تہ خانے میں کھو جاتے ہیں۔

اس دور میں بھی کچھ وہاٹس گروپ کے ادبی تبصرے ہفت روزہ اخبارات نے شائع کئے ہیں۔ ویب پورٹل نے فیس بک وال سے جمع کرکے ادبی مباحثے مر تب کئے ہیں لیکن یہ ہیں کتنے ؟ اور کب تک رہیں گے ؟ یا یہ کتنے دنوں تک محفوظ رہیں گے؟ کیا یہ ادبی خطوط کے مجموعوں کا مقابلہ کرسکیں گے ؟ سب سے بڑا سوال ہے کہ ڈیجٹیل ادبی تبصروں کی حیثیت کیا ہوگی ؟ کیا اسے سند یا حوالے کے طور پر نقل کیا جاسکتا ہے ؟ اس عہد میں جو ہے وہ ہے ، اس کے بعد نئی نسل کے پاس ایسا کچھ نہیں ہوگا ۔

ایک انگریزی نظم کی آزاد اردو نظم میں ترجمانی

بقلم :- مولانا اظہارالحق اظہر بستوی

جب میں مرجاؤں گا

میرے مرنے پر
تم آنسو بہانے آؤ گے
پر مجھ کو کوئی احساس نہ ہو گا
کیوں آج نہیں آجاتے ہو ہم آنسو بہالیں مل کر کے؟

میرے مرنے پر
گلدستوں کو تم بھیجو گے
پر میری نظر بے نور رہے گی
کیوں آج نہیں گلدستوں کو تم میرے لیے بھیجواتے ہو؟

میرے مرنے پر
تعریف کرو گے تم میری
جس کو نہ سنیں گے کان مرے
کیوں آج مجھے تعریفوں کے کچھ بول نہیں سنواتے ہو؟

میرے مرنے پر
تم معاف کرو گے غلطی مری
جس کی نہ خبر ہو گی مجھ کو
کیوں آج مری ہر غلطی کو تم معاف نہیں کر سکتے ہو؟

میرے مرنے پر
تم یاد کرو گے دل سے مجھے
احساس نہ ہوگا پر مجھ کو
کیوں آج تمہارا دل مجھ کو یادوں میں جگہ نہیں دیتا ہے؟
میرے مرنے پر
ہوگی یہ تمنا کاش گزرتا ساتھ مرے
کچھ وقت مگر
اس لمحے ہمارے پاس نہ ہوگا وقت کوئی

کیوں آج حسین کچھ پل لے کر مرے پاس نہیں تم آتے ہو؟
میرے مرنے پر
جب تم کو خبر مرے جانے کی مل جائے گی
ہر جوکھم کرکے بہر تسلی گھر کو مرے تم آؤ گے
حالانکہ زمانے سے تم نے اک بار بھی مجھ سے بات نہ کی
کیوں آج مری کوئی بھی خبر کی تم کو کوئی بھی فکر نہیں؟
کیوں تم کو کوئی بھی فکر نہیں؟

غیر مقلد باپ کا مقلد بیٹا

بقلم :- مولانا محمد اشرف علی محمد پور اعظم گڑھ

بیٹا: ابو! مقلد اور غیر مقلد میں کیا فرق ہے؟
ابو :بیٹا! مقلد دلیل اور ثبوت کے بغیر بات مان لیتا ہے اور غیر مقلد ثبوت کے ساتھ بات مانتا ہے

بیٹا : ٹھیک ہے آج سے میں بھی بغیر ثبوت کے کوئی بات نہیں مانوں گا
ابو:واہ بیٹا واہ

بیٹا: میں کس کی اولاد ہوں
ابو: (غصے میں) نالائق یہ بھی کوئی پوچھنے کی چیز ہے، تو میری اولاد ہے _

بیٹا :ابو ثبوت دیجیے، ہم بغیر دلیل اور ثبوت کے کوئی بات نہیں مانتے
ابو:تجھے مجھ پر اور تیری ماں پر بھروسہ نہیں، کیا ہم غلط بتارہے ہیں

بیٹا:کیا آپ کو امام أبو حنیفہ رح پر بھروسہ نہیں ہے، کیا وہ غلط بتائیں گے؟

یہ تو دنیا ہے جو مٹ جائے گی آخر رضواں

بقلم :- مولانا محمد رضوان اعظمی

بے سبب جانچ کرانے کی ضرورت کیا ہے
دردِ سر خود سے بڑھانے کی ضرورت کیا ہے

موت لکھی ہے اگر آئے گی کچھ بھی کر لو
پھر کرونا سے ڈرانے کی ضرورت کیا ہے

لوگ سن سن کے ہی بیمار ہوئے جاتے ہیں
قصۂ موت سنانے کی ضرورت کیا ہے

لوگ گر دور سے آداب بجا لاتے ہیں
بڑھ کے خود ہاتھ ملانے کی ضرورت کیا ہے

گھر سے جانا ہو تو پھر ماسک لگا کر نکلو
کھول کر چہرہ دکھانے کی ضرورت کیا ہے

مسجدیں بند ہوئیں گھر میں عبادت کر لو
غیر معقول بہانے کی ضرورت کیا ہے

یہ تو دنیا ہے جو مٹ جائے گی آخر رضواں
پھر اسے دل میں بسانے کی ضرورت کیا ہے